

فوت شدہ والد سے صلہ رحمی

سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ آیا تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: جانتے ہو کہ میں کیوں آیا ہوں؟ میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے:

”((من أحب أن يصل أباه في قبره فليصل إخوان أبيه
بعده .)) وإنه كان بين أبي عمر وبين أبيك إخاء وود فأحببت أن
أصل ذاك .“ (صحیح ابن حبان (الإحسان): ۱ / ۳۲۹)

”جو شخص اپنے والد کی وفات کے بعد اس سے صلہ رحمی کرنا چاہے تو وہ اپنے والد کے دوستوں سے صلہ رحمی کرے۔ اور بات یہ ہے کہ میرے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد کے درمیان دوستی اور محبت تھی، لہذا میں نے چاہا کہ اس تعلق کو برقرار رکھوں۔“

اتباع اور اطاعت یا تقلید!

ہم یہاں تقلید کی شرعی حیثیت پر گفتگو نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ دونوں جانب سے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے، مجھ جیسے شخص کے لیے اس پر مزید اضافے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ البتہ صحابہ و تابعین کی وضاحتوں سے صراحتاً یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے یہاں لفظ تقلید ایک غیر مستحسن بلکہ مبغوض حیثیت کا حامل ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ان سے متفقہ طور پر تقلید سے ممانعت اور اس کی مذمت میں آثار منقول ہیں، جن کو علامہ ابن عبدالبر اور حافظ ابن القیم وغیرہ نے جمع کیا ہے، بطور مثال چند اقوال پیش خدمت ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

”اغد عالماً أو متعلماً، ولا تغد إمامة فيما بين ذلك.“ (جامع بیان العلم وفضله: ۱۱۲/۲، اعلام

الموقعین: ۱۹۴/۲، ایفاظ الہم، ص: ۳۶)

”ایک عالم یا ایک طالب علم کی راہ اختیار کرو، ان دونوں کے بیچ میں ”امعی“ مت بنو۔“

امعی اس شخص کو کہتے ہیں جو تقلید کی راہ اپنائے، یا ایسے شخص کو کہتے ہیں جو عزم و ارادہ اور رائے سے خالی ہو۔ (اعلام الموقعین:

۱۹۴/۲، ایفاظ الہم، ص: ۳۸)

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے:

”لا يقلدن أحدكم دينه رجلاً.“ (جامع بیان العلم: ۱۱۴/۲، اعلام الموقعین: ۱۹۵/۲)

”کوئی شخص اپنے دین کے بارے میں کسی کی تقلید نہ کرے۔“

عبید اللہ بن المعتز سے منقول ہے:

”لا فرق بين بهيمة تنقاد وإنسان يقلد.“ (جامع بیان العلم: ۱۱۴/۲، ایفاظ الہم، ص: ۳۸)

”ایک منقاد و فرمانبردار چوپائے اور ایک مقلد انسان کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔“

اگر حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے لفظ ”تقلید“ کے لغوی عربی اور اصطلاحی مفہوم پر ہی غور کیا جائے تو بھی اس کی قباح و شاعت کا اندازہ بہ خوبی و بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد تقی عثمانی فاران کراچی (۱۹۶۵ء) میں اپنے ایک مضمون جو ”تقلید کی شرعی حیثیت“ کے عنوان سے شائع ہوا تھا، میں انھوں نے مروجہ تقلید پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لفظ تقلید کے لغوی مفہوم سے براءت کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے اس کے لیے کوئی اور لفظ ہونا چاہیے، اسی طرح آپ نے اس لفظ ”تقلید“ کے استعمال کو بے محل بھی قرار دیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لفظ کے لغوی مفہوم سے براءت یا اس کے بے محل مستعمل ہونے کی صرف بات نہیں ہے، بلکہ اس لفظ کے اصطلاحی و عرفی مفہوم بھی قابل غور ہیں، ان کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ پوری اصطلاح ہی بے محل ہے۔ کیونکہ اس کی تعریف میں عدم علم بطور ایک جزو لا ینفک کے موجود ہے اور اس کو کسی دوسرے لفظ سے بدلنے کی جو بات کہی گئی ہے تو اس کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ اتباع، اطاعت جیسے الفاظ اس طرح کے مواقع میں انسانی فطرت کی ترجمانی کے لیے کافی ہیں۔

(ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری)

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

16 صفر المظفر 1435 ھ جمعۃ المبارک 20 تا 26 دسمبر 2013ء

شماره 49 جلد 65

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلعو
- حافظ حماد شاکر
- حماد الحق نعیم
- مدیر مسئول
- حافظ احمد شاکر
- مینیجر
- محمد سلیم چنیوٹی

0333-4786507

○ جواہر پارے فوت شدہ والد سے صلہ رحمی

○ کلمہ طیبہ اتباع اور اطاعت یا تقلید!

○ ادارہ ناواقفیت

○ درس قرآن تفسیر سورۃ الصفّ..... (۳۳)

○ درس حدیث اربعین اعتقادی..... (۲۴)

○ تحقیق و تدقیق موزوں اور جرابوں پر مسح

○ مقالات علمیہ اللہ تعالیٰ اور بندے کی آپس میں محبت..... (۲)

○ نقد و نظر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دونوں ہاتھ.....

○ فرق باطلہ امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ

○ فہرست کتب فہرست اردو کتب (محمد عطاء اللہ حنیف لاہوری)

(ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری)

3 (حافظ احمد شاکر)

5 (مولانا ارشاد الحق اثری)

7 (ریاض عاقب اثری)

9 (حافظ صلاح الدین یوسف)

13 (محبوب الرحیم)

19 (مفتی عید اللہ خاں عقیف)

25 (محمد اشرف جاوید)

32

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج پرائیج لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-37229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال }
 ڈالر امریکی : 60/-

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یا رڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

ناواقفیت

قیام پاکستان کے جواز و عدم جواز کا سوال پاکستان کے دُنیا کے نقشے پر آنے سے قبل تھا، پاکستان بن جانے کے بعد اس کا تحفظ، اُس کا استحکام اور اُس سے وفاداری ہر پاکستانی پر فرض عین تھا، ہے اور رہے گا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وطن عزیز کی سیاسی جماعتوں کے قائدین، حکمران، پاکستان کی انتظامیہ یعنی اسٹیبلشمنٹ اس کی اولین ذمہ دار تھی۔

دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس میں جب آئین پاکستان کا سوال اٹھا تو بعض آزاد منش سیاسی قائدین، آزاد روش حکمرانوں اور بابوؤں..... بیوروکریٹس..... نے آئین کو اسلامی دائرے میں محدود کرنے کی مخالفت بایں اعتراض کی، کہ مسلمانوں کے کس فرقے کی فہم کو آئین بنایا جائے، علمائے اسلام یعنی مختلف الممالک کے ۳۱ علماء نے بابوؤں کے اس لایعنی اعتراض کا مثبت و مدلل جواب دیتے ہوئے متفقہ طور پر ۲۲ نکات پاس کر کے ان کے حوالے کر دیے، علماء جس کے جواب کے آج تک منتظر ہیں۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی اثر پذیری سے خائف عالمی لادین قوتوں نے پاکستان کو اس کے قیام کے بعد لادین سرگرمیوں کے لیے ہدف بنالیا تھا۔ انھوں نے پاکستان کو لادینیت کا زہریلا انجکشن یک بارگی لگانے کی بجائے نیوجزیشن کو عمل گریزی کی شاہراہ پر ڈالتے ہوئے تفریح اور سہل پسندی کے عنوان سے خوش نغمی (موسیقی) خوش نظری (فلمی) اداکاراؤں کی تصویریں (خوش خیالی) آزاد خیالی (اور خوش لباسی) بھڑکیے لباس کے میٹھے زہر کو رواج دے کر حدیث نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے حسب ارشاد نسل نو کو خوش نما باڑ کی طرف راغب کر دیا۔

اس کے بعد اس طبقے نے پاکستان کے تعلیمی نصاب میں سے ہر اس آیت، حدیث، واقعے حتی کہ محبت وطن قومی شعراء کے وہ اشعار خارج کر دیے جو اسلامی غیرت بے دار کرتے، جوشِ عمل پیدا ہوتا یا جن سے جذبہ شہادت کو انگیزت ہوتی انھوں نے مزعومہ بنیاد پرستی کا ہر نقش کہن مٹانے کے خاموش عالمی ایجنڈے کو لانچ کر دیا۔ یہ بابو لوگ یعنی کالے انگریز اس کو راستہ دینے لگے اس کے علاوہ یہ مافیالسانی پھونک اور ثقافتی غیریت کو خوب ہوا دیتا رہا اور یہی لوگ مشرقی بھائیوں کے احساس محرومی کو بھڑکانے کی سعی مذموم بھی کرتے رہے لیکن مشرقی بھائیوں کی اکثریت نے عقیدہ و ایمان کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ دوسری طرف شعوری یا لاشعوری طور پر وہاں کے خود غرض اور ہوس پرست سیاستدان طاغوتی مقاصد برآری کے لیے مشرق و مغرب کی خلیج بڑھانے میں کوشاں رہے۔ تا آنکہ شہنشاہ ایران..... جس کو دفن کے لیے مادر وطن کی زمین بھی نصیب نہ ہوئی..... کے ۲۵ سالہ جشن کی آڑ میں عالمی طاغوت کے سرغنوں نے ایران میں جمع ہو کر سقوط پاکستان کی سمری مکمل کر کے یعنی مشرقی بھائیوں کی محرومی و مظلومیت کے افسانے تراش کر تخریبی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ مہرے ان کو ہر سطح اور ہر مقام پر ملتے گئے کہ دین و وطن کے غدار تو ہر معاشرے اور ہر ملک میں مل ہی جاتے ہیں جو ان کو بھی مل گئے۔ شومی قسمت سے مشرقی لیڈروں کو ایسا ”راہ نما“ پڑوسی یا فکری مرشد مل گیا جو بغل میں چھری اور منہ سے رام رام کی فطرت کا حامل تھا۔

المیہ یہ ہوا کہ پاکستانی سیاستدانوں..... کی اکثریت..... کے غلط فیصلوں، بیوروکریٹس کی غفلت، خود غرض ”منتخب“ حکمرانوں اور مدہوش فوجی حکمران کی طفیل اس وقت کا سب سے بڑا (بقول لیڈروں کے نظریاتی) اسلامی ملک دولت ہو گیا اور مسلم اُمہ سقوط بغداد کے بعد سقوط مشرقی پاکستان کے سانحہ سے دوچار ہو گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کچھ کفر نے فتنے پھیلانے، کچھ ظلم نے شعلے بھڑکانے..... سینوں میں عداوت جاگ اٹھی، انساں سے انساں ٹکرائے

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مشرقی و مغرب کی تمیز کیے بغیر درد دل رکھنے والا ہر محبت وطن افسردہ، ملول، شرمندہ اور سرنگوں تھا، اپنا اپنا خیال اور رائے ہے

ہماری رائے میں سقوط مشرقی پاکستان کا سبب اغیار کی لادینیت کے بیٹھے زہر کو پالیسوں سے نسل نو میں دھیرے دھیرے انڈیلنا، مغربی پاکستان کے ماموری حکمرانوں یعنی برطانیہ کے ٹوڈی اور ذلہ خوار جاگیرداروں، سیاستدانوں کی خود غرضیوں اور بیوروکریٹس کی حکمرانوں اور سیاستدانوں کی غیر ذمہ دارانہ سیاسی پالیسوں سے ادراک رکھتے ہوئے چشم پوشی کرنے کا منطقی نتیجہ تھا۔

یہ سب کچھ دونوں بازوؤں کے حکمرانی کا خواب دیکھنے والے لگائیتوں یعنی سیاستدانوں کا کیا دھرا تھا، ورنہ دونوں طرف کے عوام اس کے خواہش مند کبھی نہ تھے۔ سقوط مشرقی پاکستان پر مغربی بازو کے مسلمانوں نے تو رو رو کر برا حال کیا ہی تھا ایک مشرقی لیڈر مرحوم محمود علی بھی بنگلہ دیش بننے کے بعد اس میں کبھی نہ گئے۔ وہ اس عظیم ملی صدمے پر آہیں بھرتے اور ماتم کرتے اگلے جہان سدھار گئے۔ ان کے علاوہ طاغوت کی عیاری اور پیسے کی مکاری پر گہری نگاہ رکھنے والے مشرقی بازو کے اصحاب درد اس پر افسردہ تھے لیکن انھوں نے وہاں لادینیت سے چھٹکارے کی مثبت انداز میں جوت جلائے رکھی لیکن دین دشمن طبقے کی آنکھ میں وہ ہمیشہ خار کی طرح کھٹکتے رہے۔ ان لادین لوگوں نے دین پسند طبقے کو اولاً جبر و جور سے پابند سلاسل رکھا پھر ان کے خلاف جنگی جرائم کا سکرپٹ تیار کر کے ٹریبونل قائم کیے اور ان کو سزائیں دلانے کا ڈھونگ رچایا گیا چنانچہ انھی نام نہاد عدالتوں میں سے ایک عدالت نے عبدالقادر ملا کو ۴۲ سال بعد جھٹ مقدمہ اور پٹ سزا کا مظاہرہ کرتے ہوئے اولاً عمر قید کی سزائی جس سے لادین حکمرانوں کے سینے ٹھنڈے نہ ہوئے پھر حکومت ایپل لے کر سپریم کورٹ چلی گئی جس نے عبدالقادر ملا کو سزائے موت دے کر اپنے حکمرانوں کو خوش کر دیا اور حکمران دو دن نظر ثانی کا چکمہ دیتے رہے پھر اچانک ایک رات کے پچھلے پہر عبدالقادر کو تختہ دار پہ لٹکا کر حکمرانوں کی آتش انتقام کو ٹھنڈا کر دیا گیا۔ عبدالقادر شہید کی آخری ملاقاتوں اور تحریروں سے اس کی عزیمت، استقامت حوصلہ اور شوق شہادت چھلکتا ہے، واقعی

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں

آثار بتا رہے ہیں کہ طاغوت نے مسلمانوں کے جامد تالاب میں پہلا پتھر پھینک کر اس کی گہرائی اور لہروں کے ابھرنے کا اندازہ لگایا ہے اس خطے کے مسلمان اگر اب بھی شتر مرغ بنے رہے تو پھر دشمن خوب کھل کھیلنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کیوں کہ جنگی مجرموں کی ایک لمبی قطار دشمن نے کھڑی کر رکھی ہے۔ جس کا ہر فرد یہ سوچ کر نقد جاں لے کر حاضر ہے کہ (تھوڑی سی غیر شاعرانہ ترمیم کے ساتھ)۔

یہ بازی ”جنت“ کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا

جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اس شہید کا جرم تو صرف پاکستان سے محبت ہی تھا نا لیکن حکومت پاکستان کی وزارت خارجہ نے جو روستم کی اس ظالمانہ کارروائی کو بنگلہ دیش کا اندرونی معاملہ کہہ کر نہ جانے کس طاقت کی زبان بولی ہے۔ وزارت خارجہ کے باپوؤں کی عمر اگر ۱۹۷۱ء میں بالی عمر یا تھی تو بیان دینے سے پہلے اپنے کسی بزرگ ہی سے پوچھ لیتے۔ جناب وزیر داخلہ نے اس پردکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس کو المناک قرار دیا ہے حالانکہ عبدالقادر ملا کو یہ مرتبہ شہادت صرف پاکستان سے وفاداری کے باعث ملا ہے۔ اخبارات میں آج یہ خوش آئند خبر آئی ہے کہ پارلیمنٹ نے بنگلہ دیشی حکومت کے اس ظالمانہ فیصلے پر قرارداد مذمت منظور کر لی ہے۔ اس سے اختلاف کرنے والوں کے نام دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون کس کے ساتھ ہے۔ لیکن حکمرانوں کی بے حسی بے رخی اور بے توجہی پر یہی کہا جاسکتا ہے۔

مری نماز جنازہ پڑھی کیوں غیروں نے

مرے تھے جن کے لیے وہ رہے وضو کرتے

حکومت پاکستان کے باپوؤں کی اس پالیسی کو ان کی دین سے اجنبیت، اسلامی احکام سے جہالت اور خون مسلم کی اہمیت سے ناواقفیت ہی کہا جانا چاہیے۔

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

زقوم کے خوشوں کو شیاطین سے تشبیہ گو خیالی ہے کہ شیطان کو تو کسی نے نہیں دیکھا مگر زہنوں میں شیطان کا ایک خوف ناک تصور پایا جاتا ہے اور اس کی طرف کسی چیز کے انتساب سے اس کی بد صورتی اور کراہت کا خیال خود بہ خود ذہن میں آ جاتا ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”شیاطین“ سے مراد سانپ ہیں۔ سانپ کو اس کی ایذا رسانی کی وجہ سے شیطان کہا جاتا ہے۔ کوبرا سانپ جب اپنا پھن اٹھاتا ہے تو بڑا خوف ناک نظر آتا ہے۔ شیطان سانپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے گھروں میں دیکھے جانے والے سانپ کو مارنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ انھیں مارنے سے پہلے تین بار آگاہ کرو کہ اگر مومن جن ہے تو چلا جائے۔ اگر وہ نہ جائے تو اسے مار ڈالو۔ (صحیح مسلم: ۲۲۳۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ گھروں میں اگر دم کٹا دوسفید دھاری والا سانپ ہو تو اسے مار دینا چاہیے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے مارنے کا ہی حکم فرمایا ہے:

((اقتلوا الحيات واقتلوا اذا الطفيتين والا بتر

فانهما يطمسان البصر ويستسقطان

الحبل .)) (صحیح بخاری: ۳۲۹۷)

”سانپوں کو مار ڈالو اور سفید دھاری والے اور دم کٹے سانپ کو زندہ نہ چھوڑو، یہ آنکھ کی بنائی ضائع کر دیتے ہیں اور حمل والی عورتوں کا حمل گرا دیتے ہیں۔“

اور بخاری رقم: ۳۲۱۱) ہی کی ایک روایت میں ہے:

((لا تقتلوا الجنان الا كل ابتر ذي طفيتين

(فتح الباری: ۳۵۰، ۳۴۹/۶)

﴿إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ﴾ یہ ان کے تعجب کا جواب ہے کہ وہ تو سمجھتے ہیں کہ آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اس درخت کے اُگنے کی جگہ قصر جہنم ہے، آگ کی تہ میں اُگتا ہے اور اسی میں پھلتا پھولتا ہے۔ جیسے بعض جمادات درختوں کی طرح پانی میں نشوونما پاتے ہیں۔ اسی طرح زقوم کا درخت آگ میں اُگتا اور آگ میں پرورش پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے آگ میں اس کا پیدا کرنا کوئی مشکل و محال نہیں۔ ﴿طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ﴾ یہ اس درخت کی دوسری صفت و کیفیت ہے کہ اس کے خوشے شیطانوں کے سر جیسے ہیں۔ ”طلع“ کے معنی طلوع ہونے، نکلنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: ”طلع الشمس“ یا ”طلوع الشمس“ یعنی آفتاب کا طلوع ہونا، سورج کا نکل آنا۔ طلوع آفتاب کی مناسبت سے ”طلع النخل“ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کا معنی درخت خرما کا غلاف ہے جس کے اندر اس کا خوشہ ہوتا ہے۔ یوں طلع کے معنی خوشہ، شگوفہ اور گاہا کے ہیں کہ وہ بھی درخت سے نکلتا ہے۔

زقوم کے شگوفوں اور خوشوں کو شیاطین کے سر سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں اس کی بد صورتی کی طرف اشارہ ہے۔ جب کسی بد صورت اور بھدی شکل کو دیکھا جاتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے یہ تو چڑیل یا ڈائن ہے اسی طرح خوب صورتی کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ وہ تو پری ہے یا فرشتہ ہے۔ مصر کی عورتوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر کہا تھا:

﴿حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ

كَرِيمٌ﴾ [یوسف: ۳۱]

”اللہ کی پناہ یہ کوئی آدمی نہیں ہے، یہ تو نہیں ہے مگر کوئی

نہایت معزز فرشتہ۔“

ہوں گے اسی طرح جہنم میں مختلف بدمزہ کھانے ہوں گے۔ زقوم ہوگا، اس سے بدک گئے تو غسلین ملے گی، اس سے بچیں گے تو خاردار گھاس کھانے کو ملے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کھانے کی یہ مختلف اشیاء مختلف درجات کے اعتبار سے ہوں۔ اللہم انا نعوذ بك من عذاب جہنم دوسری صورت یہ کہ جہنم کے فرشتے جبراً جہنمیوں کو اسے کھانے پر مجبور کریں گے تاکہ ان کے عذاب میں اضافہ ہو۔

بقیہ: موزوں اور جرابوں پر مسح

مسح کرنے کی مدت:

وضو کی حالت میں پہنی ہوئی جرابوں پر مقیم آدمی ایک رات اور ایک دن اور مسافر تین دن اور تین راتیں مسح کر سکتا ہے، البتہ احتلام اور جنابت کی صورت میں یہ رخصت ختم ہو جائے گی کیوں کہ ان صورتوں میں غسل واجب ہو جاتا ہے، البتہ قضائے حاجت سے یہ رخصت ختم نہیں ہوگی بلکہ برقرار ہے گی۔ اور مذکورہ مدت کے اندر مقیم اور مسافر پیر دھونے کی بجائے جرابوں پر مسح کر سکتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۷۶، صحیح بخاری: ۵۷۸۸)

مسح کے وقت کی ابتدا:

موزوں پر مسح کی مدت کا آغاز وضو کرنے کے بعد سے نہیں ہوگا بلکہ اس وقت سے ہوگا جب وہ بے وضو ہونے کے بعد پہلی مرتبہ مسح کرے گا مثلاً نماز فجر کے وقت وضو کر کے جرابیں پہنیں، پھر گھٹنے دو گھٹنے کے بعد بے وضو ہو گیا لیکن اس نے ظہر کے لیے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کر لیا تو اس مسح سے مسح کی مدت کا آغاز ہوگا اور اگلے دن کی ظہر تک مقیم کے لیے مسح کرنا جائز ہوگا۔ اس طرح گویا وہ چھ نمازوں کے لیے مسح کر سکے گا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے فتاویٰ اسلامیہ: ۱/۳۱۶، ۳۱۷)

ایک دوسری رائے یہ ہے کہ مسح کی ابتدا پہلی مرتبہ وضو کر کے جرابیں پہننے کے وقت سے ہوگی اسی طرح صرف پانچ نمازوں کے لیے مسح کرنا جائز ہوگا یعنی ایک دن اور ایک رات۔ احتیاط اسی دوسری رائے میں ہے۔ واللہ اعلم

اگر کسی کھلے میدان میں نماز پڑھنی ہو اور جو توں سمیت پڑھنی ہو تو جو توں پر بھی مسح کرنا جائز ہے۔

”سانپوں کو قتل نہ کرو مگر جو دم کئے دو سفید دھاری والے ہیں انھیں قتل کرو۔“

ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ شیاطین کے سروں سے مراد وہ ڈرونے درخت ہیں جو مکہ مکرمہ اور یمن کے راستے پر پائے جاتے ہیں اور عرب انھیں شیاطین کے سر کہتے تھے۔ مگر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ پہلا قول اقویٰ واولیٰ ہے اور اسی کو امام رازی رحمہ اللہ نے حق کہا ہے۔

﴿فَإِنَّهُمْ لَا يَكُلُونَ مِنْهَا﴾ جہنمی اس زقوم کو کھا کر اپنا پیٹ بھریں گے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ ایک صورت جن میں سے یہ ہے کہ جہنمیوں کو شدید بھوک لگے گی تو بھوک دور کرنے کے لیے زقوم کے کڑوے اور بدمزہ درخت سے اپنا پیٹ بھرنے پر مجبور ہوں گے کہ اور کوئی اچھی چیز تو وہاں کھانے کی ہوگی نہیں جو کچھ بھی ہوگا وہاں بدمزہ ہوگا۔ جیسے ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

﴿لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ۚ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ﴾ [الغاشیہ: ۶، ۷]

”ان کے لیے کھانا نہیں ہوگا مگر ضریع سے، جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک سے کچھ فائدہ دے گا۔“

”ضریع“ سے مراد بعض یہی زقوم لیتے ہیں۔ بعض نے اس سے ایک خاص قسم کی گھاس مراد لی ہے جو بدبودار اور زہریلی اور کانٹوں والی ہوگی۔ مقصد یہ ہے کہ جہنمیوں کو کھانے کے لائق کوئی غذا نہیں ملے گی بلکہ ”ضریع“ جیسی تکلیف دہ اور بد ذائقہ اشیاء ہی کھانے کو ملیں گی۔ خواہ وہ زقوم ہو یا خاص قسم کی گھاس یا کوئی اور چیز۔ چنانچہ ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

﴿فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَمِيمٌ ۚ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسِيلِينَ ۚ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْغَاطِثُونَ﴾ [الحاقہ: ۳۵-۳۷]

”سو آج یہاں نہ اس کا کوئی دلی دوست ہے اور نہ اس کے لیے زخموں کے دھوون کے سوا کوئی کھانا ہے۔ جسے گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔“

جس طرح جنت میں انواع و اقسام کے خوش ذائقہ کھانے اور پھل

اربعین اعتقادی

درس
حدیث

2

فرائد الفوائد في جمع الأربعين من أحاديث العقائد

محمد ﷺ عبداً غفر الله له ماتقدم من ذنبه
وما تأخر . (صحيح بخاری: ۴۴۷۶، صحيح

مسلم: ۳۲۱، ۱۹۲)

پہلے اور آخری رسول:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”بے شک ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی، جیسے ہم
نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) نبیوں کی طرف وحی کی
اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس
کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی
طرف وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ اور بہت سے
رسولوں کی طرف جنہیں ہم اس سے پہلے تجھ سے بیان کر چکے
ہیں اور بہت سے ایسے رسولوں کی طرف جنہیں ہم نے تجھ
سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے خود کلام کیا۔“

۲۴۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن قیامت کے روز اکٹھے ہوں گے
اور کہیں! گے اگر ہم اپنے رب کے پاس سفارش کے لیے کسی
سے کہیں تو وہ سیدنا آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض
کریں گے کہ آپ تمام لوگوں کے باپ ہیں۔ اللہ نے اپنے
ہاتھ سے آپ کو پیدا کیا اور فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو
ہر چیز کے ناموں کا علم دیا۔ تو آپ اپنے رب کے ہاں
ہماری سفارش کریں حتیٰ کہ وہ ہمیں اس پریشانی سے راحت
نصیب فرمادے۔ سیدنا آدم علیہ السلام فرمائیں گے: میں اس کے
لائق نہیں، وہ اپنی لغزش یاد کریں گے اور حیا محسوس کریں گے

باب: أول الرسل وآخرهم ، وقول الله تعالى:
﴿ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ
مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَ
إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَ
يُونُسَ وَهُرُونَ وَسُلَيْمَانَ وَأَتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا وَ
رُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ
نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى
تَكْلِيمًا ۝﴾ [النساء: ۱۶۳، ۱۶۴]

۲۴: عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ
قال: تجتمع المؤمنون يوم القيامة فيقولون:
لو استشفعنا إلى ربنا، فيأتون آدم فيقولون:
إنك أبو الناس، خلقتك الله بيده
وأسجد لك ملائكته وعلمك أسماء كل
شيء فاشفع لنا عند ربك حتى يريحنا من
مكاننا هذا فيقول: لست هناكم، ويذكر ذنبه
فيستحي، أئتوا نوحاً فإنه أول رسول بعثه
الله إلى أهل الأرض، فيأتونه فيقول: لست
هناكم، ويذكر سؤاله ربه ما ليس له به علم
فيستحي، فيقول: أئتوا خليل الرحمن،
فيأتونه فيقول: لست هناكم، ويذكر قتل
النفوس بغير نفس فيستحي من ربه فيقول:
أئتوا عيسى عبد الله ورسوله وكلمة الله
وروحه، فيقول: لست هناكم، أئتوا

حدیث میں ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ امت کی شفاعت کریں گے۔ شفاعت نبوی برحق ہے اس میں شفاعت کے منکرین کا خوب رد ہے۔

۸: آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ ان کی خصوصیت میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، فرشتوں سے ان کے لیے سجدہ کروایا اور انھیں ہر چیز کے نام سکھائے۔

۹: اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت یدکاثبات ہے، صفت ید اللہ تعالیٰ کی صفت حقیقی ہے جس طرح اس کی شان کو لائق ہے ہم اسے بغیر کسی تمثیل و تشبیہ، بغیر تکلیف و تحریف اور بغیر تعطیل اور تاویل کے ثابت کرتے ہیں۔

۱۰: نوح علیہ السلام روئے زمین پر پہلے رسول بنا کر مبعوث کیے گئے۔ آخری رسول ہمارے نبی محمد عربی ﷺ ہیں آپ پر سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے سب سے آخر میں محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس اہل ایمان سفارش کے لیے آئیں گے جو آپ کے آخری نبی ہونے کی دلیل ہے۔ اب آپ ﷺ کے بعد جتنے کذابین و جاحلہ نے دعویٰ نبوت کیا ہے وہ سب جھوٹے ہیں۔

۱۱: نبی کریم ﷺ کی عظمت اور مقام و مرتبہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

۱۲: ابراہیم علیہ السلام رب کے خلیل ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ و روح اللہ ہیں۔

۱۳: عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، بیٹے نہیں ہیں۔ اس میں نصاریٰ کا رد ہوتا ہے۔

تقسیم لٹریچر

ایک پمفلٹ بہ نام ”اثر مباہلہ، عبدالحق غزنوی بر غلام احمد کادیانی“ مرتبہ محمد اشرف جاوید، صفحات ۲۴۔ منگوانے کے لیے مبلغ ۲۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔
(محمد اشرف جاوید، تحریک تحفظ ختم نبوت کھرڈیا نوالہ ضلع فیصل آباد)

اور کہیں گے تم نوح کے پاس چلے جاؤ، وہ اللہ کے پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ نے اہل زمین کی طرف مبعوث کیا۔ تو وہ لوگ سیدنا نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں بھی اس قابل نہیں ہوں، وہ اللہ سے کیے ہوئے اپنے اس سوال کو یاد کریں گے جو انھوں نے لاعلمی میں کیا تھا، وہ بھی حیا محسوس کریں گے۔ کہیں گے کہ تم ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کے پاس جاؤ، لوگ ان کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں۔ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ایسا بندہ ہے جس سے اللہ نے کلام کیا اور انھیں تورات عطا فرمائی۔ لوگ ان کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں، وہ ایک جان کا تذکرہ کریں گے جسے ناحق قتل کیا تو وہ اب اپنے رب سے حیا محسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں مگر وہ بھی کہیں گے یہ میرے لائق نہیں البتہ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ کہ وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔“

فوائد:

۱: آیت مبارکہ میں سیدنا نوح علیہ السلام کا تذکرہ مقدم اس لیے ہے کیوں کہ وہ پہلے نبی مرسل ہیں۔

۲: آپ ﷺ کی طرف وحی اسی طرح ہوئی جس طرح گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی طرف آتی تھی۔

۳: کچھ انبیاء و رسل کے واقعات و تذکرے قرآن میں مذکور ہیں اور باقی کے نہیں۔

۴: داود علیہ السلام کو زبور کتاب ملی تھی۔

۵: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، اس سے صفت کلام کا اثبات ہوتا ہے۔

۶: قیامت برحق ہے۔

۷: قیامت کے روز شفاعت انبیاء علیہم السلام کا اثبات ہوتا ہے۔ اس

موزوں اور جرابوں پر مسح

اور علمائے احناف کا جمود

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

”یہ بھی موزے ہیں لیکن اُون کے ہیں۔“

علامہ احمد شاہ کرمی رحمۃ اللہ علیہ یہ اثر نقل کر کے لکھتے ہیں:

”وهذا الاثر عن انس يدل على انه - وهو من اهل اللغة - يرى ان الجوربين يطلق عليهما اسم الخفين ايضا، وان المقصود من ذلك ما يستر الرجلين، من غير نظر الى ما يصنع منه، جلدا او صوفا او غير ذلك.“

(جامع الترمذی (حاشیہ): ۱/۱۶۹، حدیث: ۹۹)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک جرابوں پر خفین (موزوں) کا اطلاق بھی صحیح ہے اور حضرت انس اہل زبان میں سے ہیں (اس لیے ان کی بات معتبر ہے) اور اس سے مقصود ایسی چیز ہے جو پیروں کو ڈھانپ لے، قطع نظر اس کے کہ وہ کس چیز کی بنی ہوئی ہے چمڑے کی ہے یا اُون کی یا ان کے علاوہ کسی اور چیز کی۔“

جرابوں پر مسح کرنے کی واضح روایت:

علاوہ ازیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک روایت ترمذی میں موجود ہے جس میں نعلین کے ساتھ جرابوں پر بھی مسح کرنے کا ذکر ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”توضأ النبي ﷺ ومسح على الجوربين

والنعلين.“ (جامع الترمذی: ۹۹)

”نبی ﷺ نے وضو فرمایا اور جرابوں اور (چمڑے کے)

احادیث میں موزوں اور جرابوں کے لیے خفین، نعلین، جورب اور تسخین کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اوّل الذکر دو الفاظ عام طور پر چمڑے کے موزوں کے لیے اور ثانی الذکر الفاظ سوتی، اُونی اور چمڑے کی جرابوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں بلکہ اہل لغت کی صراحت کی رُو سے ہر وہ چیز جورب ہے جسے لفافے کے طرح پاؤں میں پہن لیا جائے اور جس سے پاؤں ڈھک جائیں۔ اس تعریف کی رُو سے جرابیں سوت کی بنی ہوئی ہوں یا نائیلون کی، اُون کی ہوں یا چمڑے کی، سب پر جورب کا اطلاق صحیح ہے۔ اور جرابوں پر مسح کرنا احادیث سے ثابت ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے بھی خفین پر مسح کیا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۶)

اور اہل لغت نے خفین کو بھی جوربین میں شامل کیا ہے۔

ہماری اس بات کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے بھی ہوتی ہے جو صحیح سند سے مروی ہے، جس کی سند کو علامہ احمد شاہ کرمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”جید“ قرار دیا ہے اور اس اثر کو ترمذی کے حاشیے پر نقل فرمایا ہے، وہ اثر یہ ہے:

”ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس

بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ بے وضو ہو گئے تو انھوں نے

وضو کیا، اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور اُونی جرابوں پر مسح کیا،

میں نے ان سے کہا: آپ ان جرابوں پر مسح کر رہے ہیں! تو

انھوں نے فرمایا:

”انهما خفان ولكنهما من صوف.“

موزوں (جوتوں) پر مسح کیا۔“

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور ان کے علاوہ دیگر محققین حدیث نے بھی ان کی تائید کی ہے کیوں کہ حضرت مغیرہ کی یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے لیکن ترمذی میں یہ روایت جرابوں پر مسح کرنے کے اضافے کے ساتھ ہے۔ اس اضافے کو بیان کرنے والا راوی، ثقہ ہے اور ثقہ راوی کا اضافہ محدثین کے نزدیک بالاتفاق صحیح ہوتا ہے، چنانچہ ان مسلمہ اصولوں کی روشنی میں علامہ احمد شاہ مصری، علامہ جمال الدین قاسمی، امام العصر شیخ البانی، امام ابن دقیق العید وغیرہم رحمہم اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے موزوں کے ساتھ جرابوں پر بھی مسح کرنے کا اثبات کیا ہے۔ اور حضرت مغیرہ رحمہ اللہ کی بیان کردہ روایت کو مختلف مواقع پر محمول کیا ہے، یعنی یہ کسی ایک ہی وقت کا واقعہ نہیں ہے بلکہ مختلف واقعات ہیں، کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر اور کسی وقت جرابوں پر مسح فرمایا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: تعلیقات أحمد شاہ علی جامع الترمذی: ۱/۱۶۷، ۱/۱۹۶، إرواء الغلیل: ۱/۱۳۷، ۱/۱۳۸، المحلی لابن حزم: ۲/۸۴، ۸۷)

صاحبین (امام ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ) کی رائے:

اسی حدیث، مسح علی الجوربین، کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں شاگردوں؛ امام محمد اور قاضی ابو یوسف نے بھی اپنے استاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کرتے ہوئے موٹی جرابوں پر مسح کرنے کا جواز تسلیم کیا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

”ولا يجوز المسح على الجوربين عند ابی خنیفة الا ان یکونا مجلدين او منعلین، وقال یجوز اذا كانا شیخین لا یشفان لما روی ان النبی علیہ الصلاة والسلام مسح علی جوربیه.“ (الهدایة فی شرح بدایة المبتدی: ۱/۳۵)

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جرابوں پر مسح جائز نہیں۔

ہاں اگر وہ مجلد یا متعل ہوں تو جائز ہے اور صاحبین (امام محمد اور ابو یوسف) نے کہا: جرابوں پر مسح جائز ہے اگر وہ موٹی ہوں، باریک نہ ہوں، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے جرابوں پر مسح کیا ہے۔“

علاوہ ازیں فقہ حنفی کی متعدد کتابوں میں امام صاحب کا اپنے مسلک سے رجوع کر کے اپنے دونوں شاگردوں کی رائے کو اختیار کر لینے کا ذکر ہے اور اس کی تفصیل یہ لکھی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وفات سے ۳۹ دن پہلے بیمار ہو گئے تو انھوں نے جرابوں پر مسح کیا اور مزاج پرسی کرنے والوں سے فرمایا:

”فعلت ماكنت امنع الناس عنه .“

”آج میں نے وہ کام کیا ہے جس سے میں لوگوں کو منع کرتا تھا۔“

اس واقعے کو نقل کر کے فقہائے احناف لکھتے ہیں:

”فاستدلوا به علی رجوعه .“

”اس سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ امام صاحب نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا۔“

اور اتنا ہی نہیں، بلکہ ہدایہ وغیرہ میں یہاں تک لکھا ہوا ہے:

”وعلیه الفتوی“

”اور اب فتویٰ بھی اسی (رجوع والے مذہب) ہی پر ہے۔“

(الهدایة: صفحہ مذکورہ، الجوهرة النيرة شرح مختصر القدور: ۱/۶۹)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اپنے رائے سے رجوع کرنے کا ذکر امام ترمذی نے بھی اپنی جامع ترمذی میں کیا ہے جو مصری محدث و محقق کے نسخہ ترمذی میں موجود ہے اور علامہ بنوری نے بھی اپنی شرح ”معارف السنن“ میں اس کو تسلیم کیا ہے۔

اس کے بعد تو فقہائے احناف کو جرابوں پر مسح کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ ان کے تینوں بڑے امام اس کے قائل ہیں اور فتویٰ بھی اسی رائے پر ہے۔ اس کے بعد انکار کا کیا جواز ہے؟

شُخافَت کا مسئلہ:

باقی رہا مسئلہ شُخافَت، یعنی موٹی ہونے کا کہ صاحبین کے نزدیک یہ جواز تب ہے جب جرابیں موٹی ہوں، باریک نہ ہوں۔ یہ مسئلہ بھی شُخافَت کی اس تعریف سے حل ہو جاتا ہے جو خود فقہاء نے کی ہے:

”وہو ان یستمسک علی الساق من

غیر ان یربط بشیء“.

”شُخین (موٹی) سے مراد وہ جراب ہے جو پنڈلی پر کسی چیز کے ساتھ باندھنے کے بغیر ٹھہر جائے۔“

”والشخینین ما یستمسک بالقدم من

غیر رباط“ (معارف السنن: ۳۶۱/۱)

”موٹی جرابیں وہ ہیں جو پیر کے ساتھ بغیر کسی رسی (وغیرہ) کے باندھے، ٹھہر جائیں۔“

اس تعریف کی رو سے ہر قسم کی جراب، چاہے وہ اونی ہو یا سوتی یا نائیلون کی، موٹی ہو یا پتلی، ہر جراب پاؤں اور پنڈلیوں پر خود بہ خود ٹھہر جاتی ہے، اسے کسی چیز سے باندھنا نہیں پڑتا۔

اس مسلمہ تعریف کے بعد موٹی اور پتلی کی بحث کا بھی کوئی جواز نہیں رہتا، ہر قسم کی جراب پر جو قدم کو ڈھانکے اور جلد نظر نہ آئے، مسح کا جواز ثابت ہو جاتا ہے۔ احادیث میں تو پہلے ہی اس شرط اور تفریق کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، ان میں تو مطلق جو رہیں (جرابوں) کا ذکر ہے جس میں موٹی اور پتلی ہر قسم کی جراب شامل ہے۔ بلکہ جو رب (جراب) کی تعریف سے بھی یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے:

”والجورب: لفافة الرجل یتخذ من غزل

صوف او قطن او شعر لا یتدفاء القدم“.

(معارف السنن)

جورب پیر کا لفافہ (اس کو ڈھانپنے والی چیز) ہے جو اُون، یا

روئی، یا بالوں سے بنائی جاتی ہے پیر کو گرم رکھنے کے لیے۔“

نعلین کی بھی یہی تعریف ہے، یعنی وہ بھی لفافۃ الرجل ہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہ چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔

اسی لیے ایک اور حنفی عالم مولانا مودودی نے، جن کو اللہ نے اس مسئلے پر شرح صدر فرمایا، ہر قسم کی جرابوں پر مسح کرنے کا جواز تسلیم کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

”سوتی اور اونی جرابوں کے معاملے میں عموماً ہمارے فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ موٹی ہوں اور شفاف نہ ہوں کہ ان کے نیچے سے پاؤں کی جلد نظر آئے اور کسی قسم کی بندش کے بغیر خود قائم رہ سکیں۔ میں نے اپنی امکانی حد تک یہ تلاش کرنے کی کوشش کی کہ ان شرائط کا ماخذ کیا ہے مگر سنت میں ایسی کوئی چیز نہ مل سکی۔ سنت سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جرابوں اور جوتوں پر مسح فرمایا ہے..... (روایت لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:) اس روایت میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ نبی ﷺ نے فقہاء کی تجویز کردہ شرائط میں سے کوئی شرط بیان فرمائی ہو۔ اور نہ ہی یہ ذکر کسی جگہ ملتا ہے کہ جن جرابوں پر حضور نے اور مذکورہ صحابہ کرام نے مسح کیا، کس قسم کی تھیں۔ اسی لیے میں کہنے پر مجبور ہوں کہ فقہاء کی عائد کردہ ان شرائط کا کوئی ماخذ نہیں ہے۔ اور فقہاء چونکہ شارع نہیں ہیں، اس لیے ان شرطوں پر اگر کوئی عمل نہ کرے تو وہ گناہ گار نہیں ہو سکتا۔

مسح علی الخفین پر غور کر کے میں نے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ دراصل یہ تیمم کی طرح ایک سہولت ہے جو اہل ایمان کو ایسی حالتوں میں دی گئی ہے جب کہ وہ کسی صورت سے پاؤں ڈھکنے پر مجبور ہوں اور بار بار پاؤں دھونا ان کے لیے موجب نقصان یا وجہ مشقت ہو۔ اس رعایت کی بنا اس مفروضے پر نہیں ہے کہ طہارت کے بعد موزے پہن لینے سے پاؤں نجاست سے محفوظ رہیں گے۔ اس لیے ان کے دھونے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ بلکہ اس کی بنا اللہ کی رحمت ہے جو بندوں کو سہولت عطا کرنے کی مقتضی ہوئی۔ لہذا ہر وہ چیز جو سردی سے یا راستے کے گرد و غبار سے بچنے

ہے۔ اس لیے ان کا عمومی طرز عمل تو یہ ہے کہ فقہ حنفی کے مسائل کو اہمیت دیتے ہوئے انھوں نے بے شمار صحیح احادیث کو مختلف جیلوں یا خانہ زاد اصولوں کی بنیاد پر ناقابل عمل اور مردود ٹھہرا رکھا ہے۔ بنا بریں ان کا حدیث کو اہمیت دینے کے دعوے کو کیوں کر صحیح سمجھا جاسکتا ہے۔ اس مسئلے کی حد تک یہ صرف ان کا فقہی جمود اور اکابر پرستی کی ریت ہے جو ان کے ہاں بڑی مستحکم ہے۔

ثانیاً: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو، جو جرابوں پر مسح کرنے کی دلیل ہے اور سنداً بالکل صحیح ہے، اپنے خود ساختہ اصولوں کی بنیاد پر ضعیف یا قرآن کے خلاف ہونے پر ظنی اور خبر واحد کہہ کر رد کر دینا، جیسا کہ مولانا بنوری نے کیا ہے، یہ ان کا وہی وتیرہ ہے جو متعدد احادیث کے بارے میں انھوں نے بنا کر رکھا ہے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے اور وہ قرآن کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآنی حکم ”وخلس رجلین“ کی تخصیص یا مفسر ہے جس سے قرآن کے ایک حکم کی تخصیص یا تفسیر ہوتی ہے کہ اگر طہارت کی حالت میں موزے یا جرابیں پہنی گئی ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے، اس حالت میں پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں ہے، مقیم کو ایک دن، ایک رات اور مسافر کو تین دن، تین راتیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل:

امام خطابی فرماتے ہیں کہ تیرہ (۱۳) صحابہ سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے اور کسی صحابی سے ان کی مخالفت ثابت نہیں۔ امام احمد بھی اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان کی بنیاد یہی صحابہ کا عمل اور صریح قیاس ہے کیوں کہ موزوں اور جرابوں کے درمیان کوئی ایسا مؤثر فرق نہیں ہے جس کی بنا پر ان کے درمیان حکم میں کوئی فرق کرنا صحیح ہو۔

مذکورہ احادیث، آثار صحابہ، اہل لغت کی صراحت اور قیاس صریح سے واضح ہے کہ جرابوں اور موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، چاہے وہ چڑے کے ہوں یا اون کے، سوئی ہوں یا نائیلون کے، موٹے ہوں یا پتلے۔ ہر قسم کی جرابوں پر مسح کیا جاسکتا ہے، ان کے درمیان فرق کرنا صحیح نہیں ہے، بہ شرطیکہ جرابیں پہننے وقت انسان با وضو ہو۔

(باقی صفحہ نمبر ۶ پر ملاحظہ کیجیے)

کے لیے یا پاؤں کے کسی زخم کی حفاظت کے لیے آدمی پہنے اور جس کے بار بار اُتارنے اور پہننے میں آدمی کو زحمت ہو اس پر مسح کیا جاسکتا ہے خواہ وہ اُونی جراب ہو یا سوئی، چڑے کا جوتا ہو یا کرچ کا، یا کوئی کپڑا ہی ہو جو پاؤں پر لپیٹ کر باندھ لیا گیا ہو۔

میرے نزدیک دراصل یہی معنی مسح علی الخفین وغیرہ کی حقیقی روح ہیں اور اس روح کے اعتبار سے وہ تمام چیزیں یکساں ہیں جنہیں ان ضروریات کے لیے آدمی پہنے جن کی رعایت ملحوظ رکھ کر مسح کی اجازت دی گئی ہے۔“ (رسائل ومسائل، حصہ دوم، ص: ۱۵۷، ۱۵۸ ملخصاً)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اور فقہائے احناف کا جمود:

یہی وہ حقیقی روح تھی جو بیماری میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں آگئی تھی اور انھوں نے اپنے رائے سے رجوع کر کے جرابوں پر مسح کر لیا، جس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ جرابیں کس قسم کی تھیں؟ ظاہری بات ہے وہ مجلدین یا منعلین نہیں تھیں جن کی وہ اس سے پہلے شرط لگایا کرتے تھے۔ مجلدین وہ موزے جن کے اوپر نیچے چڑا ہو اور منعلین وہ موزے جن کا صرف نچلا حصہ چڑے کا ہو۔

علاوہ ازیں حنفی فقہ کی معتبر کتابوں (ہدایہ وغیرہ) میں یہ صراحت بھی ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے آخری عمل پر ہے۔ اس کے باوجود فقہائے احناف اور موجودہ علمائے احناف کا جمود ناقابل فہم ہے جو جرابوں پر مسح کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور امت مسلمہ کو ایسی سہولت سے محروم کر رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

علمائے احناف کا ناقابل فہم عذر:

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم امام صاحب کے رجوع کو اسی لیے اہمیت نہیں دیتے کہ جرابوں پر مسح کرنے کی احادیث صحیح نہیں ہیں، صرف خفین پر مسح کرنے کی روایات صحیح ہیں۔

اولاً: ان کا یہ دعویٰ غیر صحیح اور ان کے عمومی طرز عمل کے خلاف

اللہ تعالیٰ اور بندے کی آپس میں محبت

اور اہل السنۃ والحدیث کے نزدیک اس کا معنی

موہب الرحیم

والعبادة للعوض المخلوق فهو لا يحب الا ذلك العوض ، ولا يقال ان هذا يحب الله . “ (منهاج السنۃ النبویۃ : ۵/۲۰۶) ”فطرت میں یہ بات ممتنع ہے کہ انسان مطاع کی اطاعت و عبادت سے محبت کرے مگر وہ اللہ سے محبت کرنے والا ہوگا وگرنہ جو فی نفسہ محبت ہی نہیں کیا جاتا تو انسان نہ اس کی اطاعت کو پسند کرتا ہے اور نہ اس کی عبادت کو اور جو عبادت و اطاعت کو عوض مخلوق کے لیے پسند کرے تو وہ اسی عوض سے محبت کرتا ہے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔“

پھر اللہ کی ذات اور صفات کی محبت انسان کی فطرت میں موجود ہے، چنانچہ اگر انسان اپنی ذات کی طرف لوٹے تو جان لیتا ہے کہ اللہ کی محبت اس کے ارادے سے الگ قسم کی چیز ہے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو ایک لشکر پر امیر بنا کر بھیجا۔ وہ نماز میں قراءت کے بعد اختتام سورۃ اخلاص کے ساتھ کرتا جب وہ واپس پلٹے تو رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((سلوه لأی شیء یصنع ذلک؟))

”اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟“

انھوں نے اس سے سوال کیا تو کہنے لگا: کیوں کہ وہ رحمان کی صفت ہے اور میں اس کو پڑھنے سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اخبروه ان الله يحبه .))

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۷۳۷۵)

چنانچہ ابو عبد اللہ الرازی اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

”نجد فی الشاهد ان الاب یحب ابنه فیترب علی تلك المحبة ارادة ایصال الخیر الی ذلک الابن فكانت هذه الارادة اثرا من آثار تلك المحبة وثمره من ثمراتها وفائده من فوائدها .“ (۱۴/۱۳۲)

”ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ باپ اپنے بیٹے سے محبت کرتا ہے تو اس محبت پر اس بیٹے کی طرف خیر پہنچانے کا ارادہ مترتب ہوتا ہے۔ سو یہ ارادہ اس محبت کے آثار میں سے ایک اثر ہوتا ہے اور اس کے ثمرات میں سے ایک ثمر اور فوائد میں سے ایک فائدہ۔“

اور یہ بات درست ہے کہ ارادہ محبت سے پیدا ہوتا ہے اور مراد یا تو محبوب چیز ہوتی ہے یا محبوب چیز کا وسیلہ اور انتہا محبوب لذائذ کی طرف ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اسی لیے جو لوگ اللہ سے بندے کی محبت کو ارادے سے تعبیر کرتے ہیں ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان جس سے محبت نہیں کرتا اس کی اطاعت و عبادت کو پسند کرے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”یمتنع فی الفطرۃ أن یحب الانسان طاعة مطاع وعبادته إلا أن یكون محبالله والا فما لا یحب فی نفسه لا یحب الانسان طاعته ولا عبادته ومن كان انما یحب یحب الطاعة

یہ سب اس لیے کہ یہ معانی و اوصاف محبت کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔
مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو یہ ان کے لیے سب سے بڑی
لذت ہوگی۔ صحیح حدیث میں مذکور ہے:

((فما اعطوا شیئا احب الیہم من النظر الی
ربہم وهو الزیادة.)) (مسلم: ۴۴۹)

”پس وہ کوئی چیز نہ دیے جائیں گے جو ان کو اپنے رب کی
طرف دیکھنے سے زیادہ محبوب ہو اور وہی زیادت ہے۔“
بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان اللہ یقول لاهل الجنة: یا اهل الجنة!
یقولون: لیبیک وسعدیک، فیقول هل رضیت
فیقولون: وما لنا لا نرضی وقد اعطینا ما لم تعط
احدا من خلقک، فیقول: انا اعطیکم افضل
من ذلک، قالوا: یارب! وأی شیء افضل
من ذلک؟ فیقول احل علیکم رضوانی فلا
اسخط علیکم بعده ابدا.))

(بخاری: ۶۵۴۹، مسلم: ۷۰۷۰)
”بلاشبہ اللہ اہل جنت سے کہیں گے کہ اے اہل جنت! وہ
کہیں گے: لیبیک وسعدیک۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم
راضی ہو گئے؟ وہ جواب دیں گے: ہم کیوں نہ راضی ہوں
جب کہ تو نے ہمیں وہ دیا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی
نہیں دیا۔ اللہ فرمائے گا: میں تمہیں اس سے بھی افضل عطا
کرتا ہوں، وہ کہیں گے: اے رب! اس سے بھی افضل کیا
ہے؟ اللہ فرمائے گا: میں تم پر اپنی خوش نودی اتارتا ہوں، میں
کبھی بھی تم پر اس کے بعد ناراض نہ ہوں گا۔“
قرآن مجید میں ہے:

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ﴾ [التوبة: ۷۲]

”اور اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے۔“

”اس کو بتاؤ: بلاشبہ اللہ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔“

ترمذی، ابن حبان اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں
اس سورت ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ سے محبت کرتا ہوں۔ رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تیرے اس سے محبت کرنے نے تجھے جنت میں
داخل کر دیا۔“ (مسند احمد: ۱۲۳۵۹)

اور معلوم ہوا کہ اس سورت سے محبت اللہ کی محبت کی وجہ سے ہے،
قرآن پاک خود ہی اللہ کی صفت ہے اور یہ سورت ہی اللہ کی صفات پر
مشتمل ہے، یعنی اللہ نے اس سورت میں خود اپنی شان بیان کی ہے اور
اس سے محبت درحقیقت اللہ سے محبت ہے۔

اور جس ذات سے انسان کو محبت نہیں اس کی صفات سے محبت کا
کیا معنی!

رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے:

((اسألك لذة النظر إلى وجهك الكريم
والشوق إلى لقائك في غير ضراء مضرة ولا
فتنة مضلة.)) (نسائی: ۱۳۰۶)

”میں تیرے کریم چہرے کے دیدار کی لذت کا تجھ سے سوال
کرتا ہوں اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں جو
کسی نقصان دہ مصیبت میں اور گمراہ کن فتنے میں مبتلا ہوئے
بغیر ہو۔“

اور یہ بھی فرماتے تھے:

((جعل قرة عینی فی الصلاة.))

(مسند احمد: ۱۲۸/۳)

”میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں بنا دی گئی ہے۔“
اور کہا کرتے تھے:

((یا بلال اقم الصلاة ارحنا بها.))

(ابوداؤد: ۴۹۸۵)

”اے بلال! ہمیں نماز کے ساتھ راحت پہنچاؤ۔“

علامات آئیں گی، پھر قرآن و سنت کے محبت کے اطلاق کے بعد ان کو محبت سے تعبیر کرنے میں کیا چیز مانع ہے سوائے باطل شبہات کے۔ یہ تو تھابندے کی اللہ سے محبت کے بارے کلام اور یہی ابن المیر، علامہ رازی وغیرہ محققین کا موقف ہے۔ اب آتے ہیں اللہ کی اپنی بعض مخلوقات سے محبت کی طرف۔

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ ارادہ محبت سے پیدا ہوتا ہے اور مراد یا تو مراد لذتہ ہوتی ہے یا مراد لغیرہ یعنی محبوب چیز کی طرف وسیلہ ہوتی ہے اور تمام کائنات کو اللہ نے محبت کی وجہ سے ہی پیدا کیا ہے۔ حرکت کی تین اقسام:

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ دنیا میں ہونے والی حرکتیں ۳ اقسام پر مشتمل ہیں: طبعی، قسری اور اختیاری۔ طبعی حرکت جس طرح زمین کی کشش ثقل کی بدولت کسی جسم کی زمین کی طرف حرکت ہے۔ قسری حرکت جو طبعی حرکت توڑتی ہے جیسے کسی کے پھینکنے پر گیند کی اوپر کی جانب حرکت اور ارادی حرکت جو متحرک کے اختیار و شعور کے ساتھ ہوتی ہے۔

یوں کہہ لیں حرکت کرنے والی چیز یا تو اپنے ارادے سے حرکت کرتی ہے یا ارادے کے بغیر کرتی ہے اور پھر یا تو وہ حرکت اپنے مرکز کی طرف ہوتی ہے یا اپنے مرکز کے علاوہ کی طرف۔ پہلی حرکت طبعی ہے، دوسری قسری۔

اور قسری حرکت کبھی تو متحرک کے اختیار سے ہوتی ہے کبھی بغیر اختیار کے؛ پہلی کی مثال گیند کی اوپر کو حرکت جو گیند کو اوپر پھینکنے والے کے اختیار سے جاتی ہے، دوسری کی مثال ہوا کا اجسام کو حرکت دینا ہے۔ اس میں ہوا کے اختیار کا دخل نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قسری حرکت اختیاری طور پر حرکت دینے والے کے بغیر نہیں ہوتی کہ ہوا کو بھی اس قسر پر لگانے والا کوئی اور ہے اور یوں بھی کوئی ایسی چیز لازمی ہے جس نے طبعی حرکت کو توڑا ہے۔ رہی اپنے مرکز کی طرف ہونے والی طبعی حرکت تو وہ اسی لیے ہوتی ہے کہ مرکز اس کا ماویٰ ہے جس طرح محبوب محبت کی طرف ایک مناسبت کی وجہ سے کھینچتا ہے۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ ہر عمل کی اصل اللہ کو راضی کرنا ہے۔ انسان جس سے محبت کرتا ہو، وہ اس کو ناراض کر دینے والی اشیاء سے اجتناب کرتا ہے۔ سب سے بڑی ناکامی بھی اللہ کی ناراضی ہے جس ذات سے انسان محبت نہیں کرتا اس کی رضا مندی انسان کے لیے کیا افضل ہوگی بلکہ مومن اس سے محبت کرتا ہے تو اس کی رضا مندی تلاش کرتا ہے اور رضا مندی کی تلاش ہی عبادت ہے۔ اسی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اور کوئی بھی عبادت محبت کے بغیر نہیں ہوتی۔ پس ہمارا رب ہی معبود و محبوب ہے اسی سے محبت اور اسی کی عبادت اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں۔ اور تعریف کیا ہے؟ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”خبر بمحاسن المحمود مقرون بمحبته .“

(منہاج: ۲۱۱/۵)

”محمود کے محاسن کی خبر دینا جو کہ اس کی محبت سے مقرون ہو۔“

تمام تعریفیں ہمارے اللہ کے لیے ہیں وہی محمود و معبود ہے۔ لہ الحمد فی الاولی والآخرہ۔

بلکہ رضا مندی محبت میں داخل ہے۔ عمرو بن عثمان المکی کہتے ہیں:

”اعلم ان المحبة داخله فی الرضا ولا محبة الا بالرضا ولا رضا الا بمحبة لانك لا تحب الا ما رضیت وار تضیت ولا ترضی الا ما احببت .“ (طبقات الصوفیة: ۲۰۴)

”جان لو کہ محبت رضا میں داخل ہے، رضا کے بغیر کوئی محبت نہیں اور محبت کے بغیر کوئی رضا مندی نہیں کیوں کہ تم صرف اسی سے محبت کرتے ہو جس سے راضی ہوتے ہو اور جس کو پسند کرتے ہو اور تم راضی نہیں ہوتے مگر اس سے جس سے محبت کرتے ہو۔“

یوں بھی انسان جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے اور اس کو بار بار یاد کرتا ہے۔ محبت کی کچھ خصوصیات ہیں جو صرف محبت ہی میں پائی جاتی ہیں محبت کے لوازمات محبت کے بغیر متغیر ہیں اور وہ سب بندے کی اللہ سے محبت میں پائی جاتے ہیں جیسا کہ آگے محبت کی

اور طبعی حرکت میں یہ مناسبت خود سے نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام حرکات کا مرجع اختیاری حرکت ہے اور اختیاری حرکت مرید سے ہوتی ہے جو مراد کو لازم ہے۔ اور مغبوض چیز کا ارادہ، وہ بھی اس طرح کہ وہ محبوب چیز کا وسیلہ نہ ہو، ممنوع ہے۔ یوں اختیاری حرکت محبوب (مراد) کو لازم ہے، سو تخلیق کائنات محبوب امر کو لازم ہے بلکہ اس کے بغیر کائنات کا پیدا ہونا محال ہے۔

اس کو مزید یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے محبت کرتا ہے۔ اپنی ثنا کو پسند کرتا ہے اور اپنی ثنا کرتا ہے، اپنی تعریف کرتا ہے اپنی صفات کو پسند کرتا ہے اور اس کی تمام صفات ہی اچھی ہیں۔

بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

((لا احد أغير من الله، ولذلك حرم الفواحش ما ظهر منها وما بطن ولا شيء أحب إليه الممدح من الله ولذلك مدح نفسه.)) (بخاری: ۴۶۳۴)

”اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں اور اسی وجہ سے اس نے ظاہری و باطنی بے حیائی کو حرام کیا ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کو اللہ سے زیادہ تعریف پسند ہو۔ اسی لیے اس نے اپنی تعریف کی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے:

((اللهم انى اعوذ برضاك من سخطك وبمعافا تك من عقوبتك واعوذ بك منك لا احصي ثناء عليك انت كما أثنيت على نفسك.)) (مسلم، ابوداؤد)

”اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیرے درگزر کرنے کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں تجھ پر ثنا کو شمار نہیں کر سکتا تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے اپنے نفس پر خود ثنا کی ہے۔“

مخلوق کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور جو دُنیا میں شر ہے وہ مراد لذائذ نہیں ہے:

﴿وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ [الزمر: ۷]

اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا۔“

لیکن جو شر ہے وہ محبوب چیز تک پہنچاتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو کوئی طور پر ہورہا ہے وہ اللہ کو محبوب بھی ہے۔ یہ اہل بدعت کا خیال ہے۔

اور برا خیال ہے، ہاں محبوب چیز تک ضرور پہنچاتا ہے۔ ایک کفر کو ہی دیکھ لیجئے کہ یہ ہی انسان لے لے اللہ کے راستے میں قتال جیسی محبوب چیز تک پہنچاتا ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات جس چیز کا تقاضا کرتی ہیں ان کے لوازمات کے بغیر وہ نہیں ہو سکتیں۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو جان لیں کہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو عبث سمجھنے والوں کی مذمت کی ہے، فرمایا:

﴿...وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ﴾ [ص: ۲۷]

”ہم نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے مابین ہے اس کو بے کار پیدا نہیں کیا، یہ ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا، سو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا، آگ کی صورت میں بڑی ہلاکت ہے۔“

﴿...أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾ [المؤمنون: ۱۱۵]

”کیا تم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم یقیناً ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔“

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ سے خوش ہوتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں مروی ہے اور خوشی اسی چیز سے ہوتی ہے جو محبوب ہو۔

یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ نفرت کا وجود محبت کے وجود کو لازم ہے بہ خلاف محبت کے۔ اس کے وجود سے نفرت کا وجود لازمی نہیں ہے۔ کسی بھی چیز سے کوئی شخص نفرت کرتا ہے تو تب ہی جب اس کی کوئی

و کلامہ من صفات ذاته ، وہی عند ابی الحسن یرجع ان الی الارادة ، فمحبۃ اللہ المؤمنین ترجع الی ارادة اکرامهم وتوفیقهم ، وبغضہ غیرہم او من ذم فعلہ یرجع الی ارادة اہانتہم وخذلانہم ومحبۃ للخصال المحمودۃ یرجع الی ارادة اکرام مکتسبہا وبغضہ الخصال المذمومۃ یرجع الی ارادۃ اہانة مکتسبہا واللہ اعلم .“

(الاسماء والصفات، ص: ۵۰۱)

”محبت، بغض اور ناپسندیدگی ہمارے بعض (اشاعرہ) اصحاب کے نزدیک صفات فعل سے ہے، پس ان کے نزدیک اللہ کی محبت، اس کو کرنے والے کے اکرام کے ساتھ تعریف کرنے کے معنی میں ہے اور بغض و کراہیت اس کی مذمت کرنے کے معنی میں اس کو کرنے والے کی اہانت کے ساتھ ہے پس اگر مدح و ذم قول کے ساتھ ہے تو اس کا قول کلام ہے اور اس کا کلام صفات ذات سے ہے جب کہ یہ (محبت وغیرہ) ابوالحسن (الاشعری) کے نزدیک ارادہ کی طرف راجع ہیں، پس اللہ کی مومنوں سے محبت ان کو توفیق دینے اور ان کا اکرام کرنے کے ارادہ کی طرف لوٹتی ہے۔ جب کہ اللہ کا غیر مومنوں سے بغض یا جس فعل کی مذمت کی ہے ان کو رسوا اور ذلیل کرنے کے ارادے کی طرف لوٹتی ہے اور اچھی خصلتوں سے محبت ان کو کرنے والوں کے اکرام کے ارادہ کی طرف راجع ہے، جب کہ مذموم خصلتوں سے بغض ان کو کرنے والوں کو رسوا کرنے کے ارادہ کی طرف راجع ہے۔ واللہ اعلم“

صفات فعل اور صفات ذات میں فرق:

آگے چلنے سے پہلے صفات فعل اور صفات ذات میں فرق جان لینا چاہیے۔ صفات ذات وہ صفات ہیں جن سے اللہ ہمیشہ متصف

ضد موجود ہو جس سے وہ محبت کرتا ہو۔ اگر کوئی اس امر کو واضح یا درست نہیں سمجھتا تو وہ ان اشیاء پر غور کر لے جن سے نفرت کرتا ہے وہ دیکھے گا کہ اس کے شعور میں اس کی ضد (کسی چیز) کی محبت ضرور موجود ہے۔

مزید اس کو یوں سمجھیں کہ نفرت کی وجہ سے ہی ترک ہوتا ہے جس طرح محبت کی وجہ سے ارادہ ہوتا ہے۔ اور محض ترک انسان کی صورت نوعیہ، بلکہ حیوان کی بھی صورت نوعیہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ازل سے فعال لما یرید ہے، جس کا چاہتا ہے جب چاہتا ہے ارادہ کرتا ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ [یس: ۸۲]

اور جس ذات سے محض ترک ممکن نہیں، خالق ہو یا مخلوق، اس کے لیے بعض چیزوں کا مراد ہونا لازمی ہے اور ارادہ کی اصل محبت ہے اور جس کو وہ ترک کر رہا ہے اس کی ضد کوئی ایسی موجود ہے جس کو وہ کرے گا۔ جو اس کی مراد ہوگی، جس کا وہ ارادہ کرے گا جس کی اصل محبت ہے۔

پس ثابت ہوا کہ نفرت محبت کے وجود کو لازم ہے۔ اسی لیے دنیا میں ایسے شر کا یا جانا محال ہے جو اللہ کے ہاں محبوب چیز کا وسیلہ نہ ہو۔

واپس علامہ قشیری کی عبارت کی طرف لوٹتے ہیں۔ عبدالکریم الہوازن القشیری نے اللہ کی بندے سے محبت کے بارے چار قول ذکر کیے ہیں:

۱: ایک قول جس کو بعض سلف کی طرف منسوب کیا ہے۔

۲: محبت سے مراد ثواب وغیرہ دینے کا ارادہ کرنا ہے۔

۳: محبت سے مراد محبوب کی ثنا ہے جو کلام کی طرف راجع ہے۔

۴: محبت صفات فعل سے ہے اور ایک خاص احسان ہے۔

امام بیہقی کتاب ”الاسماء والصفات“ میں لکھتے ہیں:

”المحبة والبغض والکراہیۃ عند بعض

اصحابنا من صفات الفعل ، فالمحبة عنده

بمعنی المدح له باکرام مکتسبه والبغض

والکراہیۃ بمعنی الذم له باہانة مکتسبه ،

فان کان المدح والذم بالقول فقولہ کلام

کہے یا نہ کہے۔

پھر اشاعرہ نے اس کے لیے قدرت تجیزی اور قدرت صلوٰجی کا سہارا لیا اور ماترید یہ نے صفت تکوین کا مگر اس سے بھی مسئلہ حل نہیں ہو پاتا۔ اسی طرح معاملہ وحدت صفات کا ہے جس کو علامہ قشیری نے بھی ذکر کیا ہے۔ وحدت صفات سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ صرف ایک ہی ارادہ قائم ہے۔ ایک ہی کلام، ایک ہی قدرت، ایک ہی علم قائم ہے اور ارادہ و کلام قدر ہے اس پر بھی بڑے بڑے اعتراض ہیں جن سے جان خلاصی مشکل ہے۔ جان خلاصی صرف سنت کی اتباع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ارادہ کرتا ہے جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے اور سورۃ لہب ہی سورۃ اخلاص نہیں ہے اور زید کی موت جس ارادے سے وقوع پذیر ہوئی رسول اللہ ﷺ کی حیات اسی ارادے سے نہیں ہے۔ بہت سی چیزوں کا اللہ نے ابھی ارادہ نہیں کیا جب کرے گا تو وہ وقوع پذیر ہو جائیں گی:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ

فَيَكُونُ﴾ [یس: ۸۲]

تفصیل کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں۔

صفات خبریہ وہ صفات ہیں جو عقلاً نہیں جانی جاسکتیں، شارع کی خبر سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے استواء علی العرش بہ خلاف علو باری تعالیٰ کے کہ وہ عقلاً ثابت ہے۔ (باقی آئندہ)

رہتا ہے اس کی مشیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، مثلاً: حیات، قدرت، علم وغیرہ۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ اپنی مشیت سے زندہ ہے، اپنی مشیت سے قادر ہے۔ اپنی مشیت سے عالم ہے۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ صفات ذات وہ صفات ہیں جن کی ضد اللہ سے تعلق نہیں رکھتی۔ اللہ کو علم کی ضد، قدرت کی ضد اور زندگی کی ضد سے متصف نہیں کہا جاسکتا بلکہ علم و قدرت اور حیات اس کی ذات کے لوازمات میں سے ہیں۔ جب کہ صفات فعل وہ صفات ہیں جو اللہ کی مشیت سے تعلق رکھتی ہیں جیسے: زندہ کرنا، مارنا۔ جس کو چاہتا ہے زندہ کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے مارتا ہے۔ اہل السنۃ والحدیث اور متکلمین کے نزدیک بہت سی صفات کے صفات ذات اور صفات فعل میں سے ہونے میں اختلاف ہے۔

جو صفات فعل ایسی صفت کی طرف لوٹے جو ان کے ہاں صفات ذات میں سے ہو تو اس کو تو صفات فعل سے مان لیتے ہیں مگر جو ایسی نہ ہوں اس کو ماننے میں کافی پس و پیش کرتے ہیں یا صفات ذات کی طرف لوٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے بلکہ متاخرین تو صفات فعل کی نفی ہی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان لوگوں پر اس مقام میں بڑے بڑے اعتراضات وارد ہوتے ہیں جن کا جواب ان سے بن نہیں پڑتا اور اس کا اعتراف ان کے محققین نے بھی کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک کوئی بھی حادث (نیا ارادہ) اللہ کے ساتھ قائم نہیں ہوتا۔ جب کہ صفات فعل اس کے بغیر ممکن نہیں۔ خواہ اس کو کوئی حادث

ہفت روزہ الاعتصام کی جلدیں خرید فرمائیں

ہفت روزہ الاعتصام کے قدیم شماروں کی فائلیں برائے فروخت موجود ہیں۔ دینی جامعات کو ہدیہ کرنے کا بہترین صدقہ جاریہ محترم حضرات رابطہ فرمائیں۔ جامعات خود خریدنا چاہیں تو ان کے لیے خاص رعایت۔ یاد رہے کہ الاعتصام میں اہل حدیث کی تاریخ اور خدمات کے ساتھ ساتھ مختلف جامعات کی خدمات کا تذکرہ بھی محفوظ ہے، ان کے اشتہارات بھی اور یہ لائبریریوں کی زینت بھی ہے۔ خطباء، مدرسین اور مناظرین علماء کے لیے یہ تکمیل بھی ہے۔ ☆ تعداد محدود ہے، اس لیے جلد رابطہ فرمائیں۔

نوٹ

اگر کوئی صاحب یا ادارہ ہفت روزہ ”الاعتصام“ کی مکمل فائل خریدنے کا خواہش مند ہو تو مناسب قیمت پر خریدنے کے لیے فوراً رابطہ کرے۔ برائے رابطہ: ہفت روزہ الاعتصام، ۳۱ شیش محل روڈ، لاہور ۵۴۰۰۰ فون نمبر: 042-37354406

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کی تاویلات

اور ان کا رد

مفتی عبید اللہ خاں عقیف

خلجان کا پتا دے رہی ہیں کہ خود مَوَّلٰیْن کو اپنی ان وضعی تاویلات پر قلبی اطمینان اور شرح صدر حاصل نہیں۔

اور اب ان کی تاویلوں کا مفصل جواب درج ذیل ہے:

جواب اول بابت تاویل نمبر (۱):

یہ (ہاتھ) سے مراد قدرت لینا ممکن نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سوا اپنی تمام مخلوقات کو اپنی قدرت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں حقیقی ہاتھوں کے ساتھ پیدا فرمایا جیسے کہ سورہ ص کی آیت (۷۵) میں واضح اور پوری طرح عیاں ہے:

﴿ قَالَ يَا بَلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيدِيَّ اسْتَكَبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴾

”فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا کہ تُو اس کے سامنے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا؟ کیا تُو بڑا ابنِ گایا تھا ہی اونچے لوگوں میں سے۔“

اسی طرح مقالے کی حدیث نمبر (۱) یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف تین چیزوں کو اپنے ہاتھ سے بنایا: حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا، جنت عدن کی شجر کاری اپنے ہاتھ سے کی اور تورات کو اپنے ہاتھ مبارک سے رقم فرمایا۔ اور مقالے کی حدیث نمبر (۹) میں چوتھی چیز قلم اور پانچویں چیز عرش کا بھی ذکر ہے۔

لہذا اگر ”ہاتھ“ سے ”قدرت“ مراد لی جائے تو حضرت آدم علیہ السلام

پہلے اور دو درجید کے عقل گزیدہ معتزلہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات حقیقیہ جو قرآن و حدیث میں نصوص قاطعہ کے ساتھ ثابت ہیں، ان کو جوں کی توں ماننے کی بجائے ان کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو من و عن ماننے سے مخلوق کی صفات کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔ حالانکہ اللہ کی صفات مخلوق کی صفات سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں کیوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے اسی طرح اس کی صفات بھی بلاشبہ ازلی، ابدی اور غیر مخلوق ہیں جب کہ انسان نہ ازلی ہے نہ ابدی بلکہ مخلوق ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی غیر ازلی، غیر ابدی اور مخلوق ہیں، لہذا مشابہت اور مماثلت کا کیا شبہ:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ [الشوری: ۱۱]

”اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

اس حقیقت و واقعہ کے باوجود معتزلہ اپنے خود ساختہ اور وضعی اصول کے تحت اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات کی تاویلاتِ بارہ کی طرح اس کی حقیقی صفت ”ید“ (ہاتھ مبارک) کے بارے ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے درج ذیل پانچ تاویلیں کرتے ہیں:

① قدرت۔ ② اسبابِ نعمت۔ ③ کثرتِ عطا۔ ④ اجابت۔ ⑤ نشرِ رحمت۔

اب ان کا مجمل اور مفصل جواب پیش خدمت ہے:

مجمل جواب یہ ہے کہ یہ مختلف اور متضاد تاویلات ان کے ذہنی

جائز نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اتنی بہ کثرت ہیں کہ شمار سے باہر ہیں، لہذا ان بے شمار نعمتوں کو تثنیہ کے صیغے کے ساتھ بیان کرنا جائز نہیں۔“

ورنہ لازم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دو قدرتوں یا دو نعمتوں کے ساتھ پیدا فرمایا اور یہ کہنا صحیح نہیں کیوں کہ قدرت کی طرح نعمت بھی صفت واحدہ ہے، اسے تثنیہ کے ساتھ تعبیر کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

جواب ثانی:

اللہ تعالیٰ کے دونوں مبارک ہاتھوں سے نعمت مراد لین تاویل سائغ نہیں بلکہ فاسد ہے کیوں کہ لغت عرب میں لفظ ”الیدین“ (تثنیہ) نعمت یا قدرت کے معنی میں مستعمل نہیں:

”لان من لغة القوم استعمال الواحد يجوز فى الجمع كقوله تعالى: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ ولفظ الجمع فى الواحد كقوله تعالى: ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾“

یعنی لغت عرب میں واحد کا جمع کی جگہ استعمال ہے جیسے ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ میں انسان ”الناس“ (جمع) کے معنی میں ہے حالانکہ لفظ انسان واحد ہے۔ اسی طرح لفظ جمع کا صیغہ واحد کی جگہ آجاتا ہے جیسے قرآن کی آیت ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ...﴾ الخ میں ”الناس“ سے مراد صرف اکیلا ابو نعیم بن مسعود اشجعی ہے حالانکہ ”الناس“ جمع کا صیغہ ہے۔

اسی طرح جمع کا صیغہ تثنیہ کے لیے مستعمل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ ”چور مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔“ اس آیت شریفہ میں ”ایدی“ جمع کا صیغہ ہے مگر اثین (دو) کے معنی میں مستعمل ہے۔ اسی طرح ﴿قَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾ [التحریم] ”تم دونوں بیبیوں کے دل کج ہو گئے ہیں۔“ اس آیت میں بھی ”قلبان“ (دو دل) کے معنی میں

کی خصوصیت ختم ہو جاتی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ نہ کرنے پر ڈانٹ پلاتے ہوئے آدم علیہ السلام کی اسی خصوصیت کو ڈانٹ کی علت قرار دیا ہے۔

جواب ثانی:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس تاویل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”لا يجوز ان يراد به القدرة لان القدرة صفة واحدة ولا يجوز ان يعبر بالاثنتين عن الواحد.“ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۶/۳۶۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کے دو بے مثل مبارک ہاتھوں سے قدرت مراد لینا صحیح نہیں کیوں کہ قدرت صفت واحدہ ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ دو ہیں ایک نہیں، لہذا تثنیہ (دو) بول کر ایک مراد لینا صحیح نہیں۔

ورنہ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دو (۲) قدرتوں کے ساتھ پیدا کیا جب کہ یہ معنی کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں۔ فافهم ولا تكن من الملحدين ولا المفسدين .

تاویل نمبر ۲:

اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں سے حقیقی ہاتھ مراد نہیں بلکہ مجازی معنی ”نعمت“ مراد ہے۔

جواب اول:

شیخ الاسلام اس تاویل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان گنت اور شمار سے باہر ہیں کہ ان دونوں نعمتوں سے تعبیر ہرگز صحیح نہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں:

”ولا يجوز ان يراد بهما النعمة لان نعم الله لا تحصى ، فلا يجوز ان يعبر عن النعم التي لا تحصى بصيغة التثنية .“

(فتاویٰ ابن تیمیہ: ۶/۳۶۵)

”اللہ تعالیٰ کے دونوں بے مثل ہاتھوں سے نعمت مراد لینا

”قلوب“ (جمع) آیا ہے۔ اور یہ اسلوبِ تعبیر لغتِ عرب میں شائع و ذائع ہے مگر:

”اما استعمال لفظ الواحد فی الاثنين او الاثنين فی الواحد فلا اصل له، لان هذه اللفاظ عدد وهی نصوص فی معناها لایتجوز بها، ولا يجوز ان يقال: عندی رجل ویعنی رجلین، ولا: عندی رجلان ویعنی به الجنس، لان اسم الواحد يدل علی الجنس و الجنس فیہ شیاع.“

(فتاویٰ ابن تیمیہ: ۶/۳۶۵)

”لفظ واحد کا تثنیہ کی جگہ اور لفظ تثنیہ کا واحد کی جگہ آنا لغتِ عرب میں ہرگز مروج نہیں کیوں کہ الفاظ گنتی کے عدد ہیں اور اپنے معانی میں فیصلہ کن نصوص ہیں جن میں مجازی معنی کی ہرگز گنجائش نہیں، لہذا ”عندی رجل“ کہہ کر ”رجلین“ مراد لینا اور ”عندی رجلین“ کہہ کر جنس مراد لینا صحیح نہیں۔“

اعتراض:

آپ کا یہ کہنا کہ تثنیہ (اثنین) بول کر عرب کی لغت میں ایک مراد لینا جائز نہیں کیوں کہ قرآن میں ہے:

﴿الْقِيَا فِي جَهَنَّمَ﴾ [ق: ۲۴]

”جہنم میں پھینک دو تم دونوں۔“

یہ صیغہ تثنیہ کا ہے جب کہ مخاطب فرد واحد ہے، لہذا آپ کا دعویٰ صحیح نہیں۔

جواب اول:

آپ کا یہ استدلال ممنوع ہے کیوں کہ یہاں اس سے ”تثنیہ الفاعل لتثنیة الفعل“ مراد ہے اور معنی ”اللق، الق“ ہے۔

جواب ثانی:

یہاں سائق اور شہید کو خطاب ہے جو دو فرشتے ہیں، لہذا آپ کا

استدلال غلط ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۷/۳۶۶)

اعتراض:

بعض آیات میں لفظ ”ید“ مفرد استعمال ہوا ہے:

﴿يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ [الفتح: ۱۰]

”اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔“

جب کہ بعض مقامات پر جمع استعمال ہوا ہے، جیسے سورۃ یس میں ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِمَّا عَمِلْتُمْ

أَيِّدِينَ﴾ [یس: ۷۱]

”اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان چیزوں میں

سے جنھیں ہمارے ہاتھوں نے بنایا، ان کے لیے کئی مویشی

پیدا کیے، پھر وہ ان کے مالک ہیں۔“

لہذا ثابت ہوا کہ اس سے حقیقی ہاتھ مراد نہیں بلکہ مجازی معنی ”قدرت“ مراد ہے۔

جواب:

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ جو کام دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہے کبھی اس کو ایک ہاتھ کی طرف بھی منسوب کر دیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھ کے ساتھ دیکھا اور اپنے کان کے ساتھ سنا۔ حالانکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ میری دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے دونوں کانوں نے سنا۔ اسی طرح جمع کا صیغہ کبھی تثنیہ کے معنی بھی آتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ

قُلُوبُكُمَا﴾ [التحریم: ۴]

”اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو (تو بہت ہی بہتر ہے

کیوں کہ) تمھارے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں۔“

یہاں جمع (قلوب) سے مراد تثنیہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں دو دل مراد ہیں، جمع مقصود نہیں۔

اس طرح تاویل نمبر ۳ (کثرت عطاء)، تاویل نمبر ۴ (رحمت)

اور تاویل نمبر ۵ (اجابت) وغیرہ مراد لینا صحیح نہیں۔

اولاً: اس لیے کہ یہ تینوں، یعنی عطاء، رحمت اور اجابت مفرد اور واحد ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ مبارک دو ہیں اور دونوں کھلے ہیں اور ان کا ترجمہ دو (۲) عطیوں، دو رحمتوں اور دو اجابتوں کرنا صحیح نہیں۔ ثانیاً: اللہ تعالیٰ کا اپنے ہاتھ سے تورات رقم کرنا، جنت عدن کی شجر کاری اپنے ہاتھ سے کرنا، صدقے کو اپنے ہاتھ میں پکڑنا اور آسمانوں کو اپنی مٹھی میں پکڑنا وغیرہ ان تینوں تاویلوں کے سراسر خلاف ہے کہ ان میں باہم موافقت اور مناسبت عنقا ہے۔ اور اگر پیدا کر بھی لی جائے تو مضحکہ خیز ہے۔

ثالثاً: اگر ان تاویلات کو مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا اس فرمان میں کہ ”اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں اور جس طرح چاہتا خرچ کرتا ہے“، آپ غور فرمائیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے دو حقیقی ہاتھ نہ ہوں تو کیا اس طرح کہنا درست ہے کہ ”اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔“

رابعاً: اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں سے کثرت عطاء، رحمت اور اجابت مراد لینا اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ احادیث قدسیہ صحیحہ مرفوعہ متصلہ میں اللہ تعالیٰ کی کف (ہتھیلی)، پانچ انگلیاں، انگلیوں کے پورے، قبضہ (مٹھی)، امساک، مسح، بیمن، شمال اور ہاتھوں کے بارے میں بسط و کشاد کے ساتھ اور تفصیلاً مذکور اور مروی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان تمام صفات کا تعلق حقیقی اور اصلی ہاتھ کے ساتھ ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی خالص تحقیقی اور علمی کتاب ”الصواعق المرسلۃ“ میں مؤولین کی تاویلات بارہ، آراء کا سدھ اور اقوال فاسدہ کے بیس جواب پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”ورد لفظ الید فی القرآن والسنة وکلام الصحابة والتابعین اکثر من مائة موضع وروداً متنوعاً متصرفاً مقروناً بما یدل علی انها ید حقیقة من الامساک والقبض..... والخلق بالیدین والمباشرة بهما وکتب التوراة بیدہ وکتابتہ علی نفسه: ”ان رحمته

تغلب غضبه“ وانه مسح ظهر آدم بیدہ .“ (الصواعق المرسلۃ: ۱۷۱/۲)

”قرآن وحدیث، صحابہ اور تابعین کے کلام میں ایک سو سے زائد مقامات پر لفظ ”ید“ ایسی اشیاء اور افعال کے ساتھ اکٹھا استعمال ہوا ہے کہ اشیاء اور افعال بغیر حقیقی ہاتھ کے وجود میں نہیں آسکتے، جیسے: امساک، قبض، بسط، قبضہ (دونوں ہاتھ کی لپ)، پیدا کرنا، پکڑنا، اللہ تعالیٰ کا اپنے ہاتھ سے تورات شریف کا لکھنا، جنت عدن میں اپنے ہاتھ سے شجر کاری کرنا، آدم علیہ السلام کی مٹی کا خمیر اٹھانا، منصف لوگوں کا اللہ کے دائیں ہاتھ کھڑے ہونا، رسول اللہ ﷺ کا قیامت کے دن اللہ کے دائیں ہاتھ کھڑا ہونا، اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کو اختیار دینا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سے محفوظ کو اختیار کر لو تو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے داہنے کو اختیار کر لیا، اللہ تعالیٰ کا صدقے کو اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑنا اور اس کو بڑھانا، اللہ تعالیٰ کا اپنے ہاتھ سے لکھنا کہ میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے، اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کی کمر پر اپنا ہاتھ پھیرنا۔“ مذکورہ بالا اشیاء اور افعال میں سے ہر ایک شے اور فعل مؤولین کی مذکورہ نام نہاد تاویلات کا منہ توڑ جواب ہے۔ بشرط کہ حق کا ادراک اور فہم صفات مقصود ہو۔ اپنی عقل نارسا کے باطل نظریات پر اصرار اور ہٹ دھرمی کا علاج اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ہتھیلی کا بیان:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز کا کافی تاخیر سے پڑھائی۔ نماز پڑھا چکے تو ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تم سے اس تاخیر کا سبب بیان کرنا چاہوں گا۔ میں سحری کے وقت بیدار ہوا، وضو کر کے جتنی مقدر میں تھی نماز پڑھی۔ مجھے نماز میں اولگھ آنے کے بعد نیند آگئی:

”(فاذا أنا برسی تبارک وتعالیٰ فی احسن صورة۔ فقال: یا محمد! قلت: لیبیک رب!

الخلائق علی اصبع، فيقول: "أنا الملك." فضحك النبي ﷺ حتى بدت نواجذهُ تصديقا لقول الحبر.

(صحيح بخاري: ۷۱۱/۲)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں کا ایک عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے محمد ﷺ! ہم نے اپنی تورات میں پڑھا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو اپنی ایک انگشت پر اور زمینوں کو ایک انگشت پر، درختوں کو ایک انگشت پر، پانی کو ایک انگشت پر، گیلی مٹی کو ایک انگشت پر اور باقی ماندہ مخلوقات کو ایک انگشت پر رکھ کر فرمائے گا: میں ہی اصلی بادشاہ ہوں۔ یہودی عالم کی یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ اتنا ہنسے کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ یہ اس عالم کی تصدیق کے طور پر تھا۔“

اس صحیح اور قدسی حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی ہاتھ میں انگلیاں بھی ہیں جس طرح اس کی شان کے لائق ہیں۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں پورے بھی ہیں:

اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں پورے بھی ہیں مگر کسی تشبیہ، تمثیل اور تکلیف کے بغیر جس طرح اس کے شیان شان ہیں، اُوپر ہتھیلی کے بیان میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”((فرأيتهُ وضع كفهُ بين كَتفَيّ حتى وجدت برد أنامله بين ثديي.)) قال أبو عيسى: حديث حسن صحيح. (جامع ترمذی، تفسیر سورة ص، ص: ۴۳۰)

”پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی مبارک میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی حتیٰ کہ میں نے اللہ کی انگلیوں کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔“

قال: فيما يختصم الملاء الاعلى؟ قلت: ربى! لا أدري. قالها ثلاثا. فرأيتهُ وضع كفهُ بين كَتفَيّ حتى وجدت برد أنامله بين ثديي فتجلى لى كل شيء. ((قال أبو عيسى: حديث حسن صحيح. (جامع ترمذی: تفسیر سورة ص، ص: ۴۳۰، الاحادیث القدسیة: ۱۱/۶)

”پس اچانک میں اپنے رب کے پاس حسین صورت میں حاضر تھا۔ فرمایا: اے محمد ﷺ! میں نے کہا: میرے رب! میں حاضر ہوں۔ فرمایا: ملا اعلیٰ کون سے مسئلے میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: میں نہیں جانتا۔ ایسا تین مرتبہ فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی مبارک میرے شانوں کے درمیان رکھی ہوئی ہے حتیٰ کہ اس انگلیوں کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی۔“

اس صحیح حدیث قدسی سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مبارک ہاتھوں میں دو (۲) ہتھیلیاں بھی ہیں، لہذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ حقیقی ہیں۔ ان سے کثرت عطا، قدرت اور نعمت مراد لینا جائز نہیں۔ لہذا ہم اس پر بلا کیف، بلا تمثیل اور تشبیہ کے ایمان رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں انگلیوں کا بیان:

اللہ تعالیٰ کے دونوں بے مثل ہاتھوں میں انگلیاں بھی ہیں، جیسا کہ حسب ذیل صحیح حدیث قدسی میں ہے:

”عن عبد الله بن مسعود جاء جبر من الاحبار الى رسول الله ﷺ، فقال: يا محمد! إنا نجد أن الله يجعل السماوات على اصبع والارضين على اصبع والشجر على اصبع والماء على اصبع والثرى على اصبع وسائر

فافهم وتفكر ولا تكن من المعطلين
الكاسدين ، نسأل الله العافية والسلامة من
فساد العقول وزيف القلوب ، ونعوذ بالله من
الكور بعد الحقو من الضلالة بعد الهدى
ومن الشك بعد اليقين ، اللهم صل وسلم
على نبينا محمد وعلى آله وصحبه ومن
سلك سبيلهم من السالفين .

پروفیسر حافظ سعید احمد چنیوٹی کے اعزاز

میں تقریب

۲۴ دسمبر ۲۰۱۳ء جی سی یونیورسٹی فیصل آباد کے چوتھے
کانو وکیشن کے موقع پر پروفیسر حافظ سعید احمد چنیوٹی کو پی ایچ ڈی
کی ڈگری سے نوازا گیا۔ اس کامیابی پر جماعت اہل حدیث کے
عظیم سکالر اور نام و رمحقق مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ کی طرف
سے ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا،
جس میں رفقاء ادارہ علوم اثریہ، امیر جمعیت اہل حدیث سٹی
مولانا عبدالرحمان آزاد، مولانا حکیم ثناء اللہ ثاقب، حافظ محمد شفیق
(سابق صدر AYY فیصل آباد) حافظ محمد سلیمان حسان اور
چوہدری عبداللطیف کے علاوہ دیگر معززین کو مدعو کیا گیا۔

مولانا کوڈاکریٹ کے اس اعزاز پر ہدیہ تبریک پیش کرتے
ہوئے مزید کامیابیوں کی دعا کی گئی۔

(عبداللہ انصاری رفیق ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد)

✽..... ادارہ الاعتصام بھی مولانا پروفیسر سعید احمد چنیوٹی کی
اس کامیابی پر مسرت کا اظہار کرتا ہے اور انھیں مبارک باد پیش کرتا
ہے۔ (ادارہ)

اس حسن صحیح حدیث قدسی سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی انگلیوں
کے پورے بھی ہیں مگر بلا کیف اور بغیر کسی تشبیہ کے۔

اللہ تعالیٰ کی مٹھی کا بیان:

اللہ تعالیٰ کی منجملہ دیگر صفات عالیہ میں ایک صفت قبضہ (مٹھی)
بھی ثابت ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید الخدری رحمہ اللہ سے شفاعت کے
بارے میں صحیح مسلم میں ایک طویل حدیث قدسی میں ہے:

”فیقول الله عزوجل: شفعت الملائكة

وشفع النبیون وشفع المؤمنون ولم یبق الا

أرحم الراحمین ، فیقبض قبضة من النار

فیخرج منها قوما لم یعملوا خیرا قد عادوا

حمما فیلقیہم فی نهر فی افواه الجنة یقال

لہ: ”نهر الحیلة“ ، فیخرجون کما

تخرج الہبة فی خمیل السیل .“ (صحیح

مسلم، الاحادیث القدسیة: ۱/ ۲۷۷، ۲۷۸)

”اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فرشتے سفارش کر چکے، نبی سفارش

کر چکے، مومنوں نے بھی سفارش کر لی، اب صرف اللہ ارحم

الراحمین باقی رہ گیا ہے۔ پس اللہ عزوجل جہنم سے ایک مٹھی

بھرے گا اور ایک ایسی قوم نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی

نیک عمل نہ کیا ہوگا۔ اور یہ لوگ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ انھیں جنت کے دھانے پر واقع نہر میں ڈالیں گے

جسے ”نہر حیات“ کہا جاتا ہے۔ وہ اس سے ایسے صاف اور

شفاف نکلیں گے جیسے سیلاب کی گزرگاہ میں دانہ اگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے مثل، بے کیف اور انسانی ہاتھوں کے ساتھ ہر قسم

کی مشابہت سے پاک دونوں ہاتھوں میں انگلیوں، پوروں، ہتھیلی اور

مٹھی کا ہونا معطلہ، مشبہا اور مؤولہ کی ہر قسم کی تاویل کی نفی کا منہ بولتا

ثبوت ہے۔ کیوں کہ انگلیاں اور ان کے پورے، ہتھیلی (کف) اور

قبضہ (مٹھی) حقیقی اور اصلی ہاتھ ہی کی ہو سکتی ہے۔

امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ

کی مرزا قادیانی سے آخری بحث اور مرزا کی موت

محمد اشرف جاوید فیصل آباد

آپ نے انجمن تبلیغ قائم کر کے پورے ملک میں جلسے کرائے اور اس کے تحت جید علماء کو جمع کر کے مرزائیت، آریہ سماج کے خلاف منظم طریقے سے کام کیا۔ ہفت روزہ ”اہل حدیث“ امرتسر کے اوراق شاہد ہیں کہ اس انجمن کے تحت تبلیغی مساعی کے نتیجے میں کتنے لوگوں نے مرزائیت سے توبہ کی۔ یہ مولانا کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ مولانا ابراہیم میر رحمۃ اللہ شیخ الاسلام فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ کے قریبی دوست تھے۔

مولانا میر رحمۃ اللہ ایک کامیاب مناظر تھے، مد مقابل پر ان کی گرفت بہت سخت ہوتی تھی۔ مولانا کے مناظروں کے روداد بہت طویل ہے۔ چند برس قبل راقم سیالکوٹ گیا تو مجاہد ختم نبوت مولانا محمد صدیق اختر نے بیان کیا کہ بعض الناس نے اختلافی مسائل پر ایک اشتہار کر دیا، مولانا موصوف نے اس کا ایسا مسکت جواب دیا کہ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

یہاں صرف مولانا نے دو مناظروں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے اور ساتھ مولانا کی کتاب ”شہادت القرآن“ جس کا آج تک مرزائیت جواب دینے سے قاصر ہے، اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پہلا مناظرہ اور آریہ مناظر کا مسلمان ہونا:

مولانا عنایت اللہ تحریر کرتے ہیں:

”۱۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو آریہ سماج کا گجرات میں جلسہ تھا جس میں انھوں نے مسلمانوں کو تبادلہ خیالات کی دعوت دی۔ میں نے مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ کو

پاک وہند میں سے سیالکوٹ کو ایک عظیم شرف حاصل ہے کہ اس سرزمین سے نام و راور فحول علماء نے جنم لیا جو اپنے زمانہ کے نجوم السماء تھے، اس حوالے سے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، مولانا محمد افضل (استاد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)، مولانا ابوالحسن سیالکوٹی تلمیذ شیخ الکل، مولانا محمد حیدر شاگرد شیخ الکل، مولانا غلام حسن (استاد حضرت میر سیالکوٹی)، مولانا محمد رمضان، مولانا احمد دین اور حضرت محمد ابراہیم میر سیالکوٹی وغیرہ کے نام ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ماضی قریب میں جن کو شہرت دوام حاصل ہوئی ان میں مولانا محمد صادق سیالکوٹی اور علامہ احسان الہی ظہیر رحمۃ اللہ ہیں۔ یہ علماء اہل حدیث وہ ہیں جنھوں نے اسلام کی ترویج اور مسلک حق کی اشاعت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ اپنے وقت کے اچھے مقرر کا کامیاب مناظر صاحب تصنیف اور سیاسی انسان تھے۔ مولانا ان اوصاف کے ساتھ ساتھ انتہائی متقی پرہیزگار عالم تھے۔ مولانا کی دینی خدمات کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کئی کئی ماہ سفر کر کے اسلام کی حقانیت کا بول بالا کرتے تھے، چنانچہ اس حوالے سے آپ کا سفر بہار اور سفر کلکتہ وغیرہ معروف ہے۔ مولانا کے اسفار کی تفصیل ہفت روزہ اہل حدیث (امرتسر) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سیالکوٹ کی زمین میں عیسائیت نے جب قدم جما نے شروع کیے تو آپ نے ان کے خلاف ایک انجمن بنا کر ان کے مکروہ خیالات و افکار کی تردید فرمائی۔

کے اصرار سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات فی السماء کو مع بعض دیگر مسائل (معراج) وغیرہ بہ نصوص قرآنیہ بیان کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منکرین کو بالکل پست کر دیا اور بہت سے مذہبین و مستردین کو شاہراہ عقیدت پر چلایا۔ رفتہ رفتہ دوسرے شہروں میں آواز بلند ہوئی اور خطوط طلبی کے آنے لگے۔ محض تبلیغ دین کے لیے کئی سفر کیے، چنانچہ ضلع گجرات، جہلم، راولپنڈی، امرتسر اور پشاور میں سفر کر کے اس قدر وعظ کیے کہ اکثر لوگ مطمئن ہو گئے اور بعض مرزائی تابہ ہو گئے۔

فرقہ مرزائیہ کے بعض مدعیان علم سے پسرور، سیالکوٹ، وزیر آباد، کھاریاں، موضع کلا، جہلم، چنیوٹ، لاہور، موگیلہ، بہار، گوجرانوالہ، ڈیرہ ناک صاحب وغیرہ مباحثات و مناظرات بھی ہوئے، ان سب موضوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے (خاکسار) کی مدد کی، غلبہ اور نمایاں فتح دی اور مخالفین کو حجت میں مغلوب کیا، چنانچہ بعض کو ہلاک کیا اور بعض کو بیماری میں مبتلا کیا اور بعض کو ندامت کے دریا میں غرق کیا۔

جب مرزا صاحب مولوی کرم الدین صاحب کے استغاثے پر جہلم میں تاریخ مقدمہ پر آئے تو مولانا نے مرزا صاحب قادیانی کے سامنے کھڑے ہو کر صد ہا مسلمانوں کے سامنے مسئلہ حیات و رفع مسیح علیہ السلام صرف قرآن مجید سے بیان کیا اور مرزا کو زبانی تحریری طور پر تحقیق حق کی طرف دعوت بھی دی مگر وہ اس پر ہاں نہ کر سکے۔“

(شہادت القرآن، ص: ۳۵، ۳۶)

شہادت القرآن:

مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا انکار کیا اور خود ان کے مقام پر بیٹھنا چاہا، اس کے لیے اس نے کتاب ”ازالہ اوہام“ تحریر کی۔ مسلمانان ہند نے اس تحریک کے خلاف بہت علمی کام کیا، جن میں سب سے مقدم مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ تھے۔ لکل فرعون موسیٰ مرزا قادیانی کے خلاف جو کتب کا ذخیرہ پایا جاتا ہے اس میں

دعوت دے کر آریوں سے بات چیت شروع کر دی تو شرائط مناظرہ میں اختلاف ہو کر مناظرہ موخر ہوتا نظر آیا۔ مولانا میر رحمہ اللہ کو میں نے اطلاع دی کہ اگرچہ مناظرہ رک گیا ہے مگر آپ بہر حال تشریف لائیں ایسا نہ ہو کہ آریہ کوئی شرارت کریں، چنانچہ مولانا میر رحمہ اللہ حسب استدعا تشریف لے آئے مگر میں نے دوسروں کو تو کیا اپنی جماعت کو بھی موصوف کی آمد سے آگاہ نہ کیا اور انھیں ایک علیحدہ مخفی جگہ میں ٹھہرایا۔ جلسے کے آخری دن مغرب کی اذان تیار تھی کہ آریہ نے اطلاع دی کہ آپ کے پیش کردہ شرائط پر مناظرہ منظور ہے اور آج ہی رات پہلے آپ کا وقت ہے۔ بس پھر کیا تھا کہ شہر میں بجلی کی طرح یہ خبر پھیل گئی۔

اپنی جماعت و دیگر مسلمان حیران کہ اب کیا کیا جائے، وقت بہت تنگ ہے، کوئی انتظام نہیں کیا جاسکتا۔ مرزائیوں نے کہا کہ ہمارا مبلغ آیا ہوا ہے اور پرانا مناظرہ ہے، سنسکرت سے خوب واقف ہے، وہ حافظ صاحب کی طرف سے ان مقرر کردہ شرائط پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ دیگر احباب بھی اس طرف مائل ہو گئے اور میں خاموش، کچھ جواب نہیں۔

عام خیال تھا کہ یہ خود کھڑا ہوگا۔ میں نے سماج میں اسلامی سٹیج بنوایا اور ضروری کتابیں بھی رکھوا دیں۔ عین وقت پر جب حضرت محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سٹیج پر تشریف فرما ہوئے تو لوگ حیران ہو گئے کہ انھیں کب سے بلوایا ہوا تھا۔

القصد کہ مناظرہ ہوا اور شان دار ہوا کہ دھاک بیٹھ گئی آریہ سامان صدر نے مولانا محمد ابراہیم میر کے طرز بیان کی بے حد تعریف کی۔ بلکہ آریہ مناظر خود کچھ دنوں بعد مسلمان بھی ہو گیا۔“ (حیات تبلیغ: ۱/۶۸، ۶۹)

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء .

امام العصر محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ خود بیان کرتے ہیں:

”۱۹۰۶ء میں سیالکوٹ شہر میں بموقع کثیرہ بعض احباب

”شہادت القرآن“ مولانا میر صاحب سیالکوٹی رحمہ اللہ کی اہم، لازوال اور بے مثال کتاب ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر دیوبندی، بریلوی مکتبہ فکر علماء نے بھی کتب تحریر کیں مگر بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ”شہادت القرآن“ اپنے دلائل، جامعیت اور ندرت کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتی ہے آج تک مرزائی اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں جب کہ یہ کتاب ۱۹۰۳ء میں مرزا کی زندگی میں طبع ہوئی تھی۔ جب ”نبی“ خود جواب دینے سے عاجز تھا تو اس کے ”امتوں“ کو کیسے ہمت ہو سکتی تھی۔ ”شہادت القرآن“ حضرت میر صاحب رحمہ اللہ کا ایک علمی شاہ کار ہے جس کی ناقابل تردید علیت تمام مکاتب فکر کو تسلیم ہے بلکہ اس موضوع پر کوئی دوسری کتاب نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرف و مقام پاک و ہند کے نامور عالم دین کو ہی عطا فرمایا۔ والحمد للہ علی ذلک حضرت مولانا میر صاحب رحمہ اللہ ”شہادت القرآن“ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

”پہلے حصے میں مقام استدلال و تعلیل میں کسی امر کو بھی بغیر دلیل نہیں چھوڑا کہ کوئی مانع طلب کر سکے۔ اور ہر دلیل کو قواعد علمیہ سے ایسا محکم کیا ہے کہ مخالف کو نقض کی گنجائش نہیں۔ اور قواعد علمیہ کا اجراء اور استدلال کی بنا آیات قرآنیہ پر رکھی ہے اور یہ مسلم ہے کہ ان کا معارضہ ممکن نہیں۔ اور ہر نقل کو صحیح صحیح بغیر کی بیشی یا تغیر مفہوم کے لکھا ہے۔ پس صحت نقل کا مطالبہ عبث ہے۔ اور پھر مسلمات نقلیہ کو میزان عقل پر بھی پورا کر دکھایا ہے کہ ہر دو جہت سے برہان قوی ثابت ہو، پس تعارض عقل و نقل کا عذر بھی نہیں ہو سکتا۔

دوسرے حصے میں مرزا صاحب کے دلائل وفات مسیح کا جواب ہے۔ اس میں ان کی ہر فرضی دلیل کے ہر مقدمے پر علم لغت و نحو و اصول اور قرآن و حدیث صحیح سے نقض کیا ہے اور ہر نقض میں شاہد پیش کیا ہے اور ان کے اپنے مسلمات سے ان پر الزام قائم کیے ہیں۔ پس اپنی کم بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے اور محض خدا کے فضل پر اعتماد رکھتے

ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ”شہادت القرآن“ کے حصہ دوم کے مطالعے کے بعد مرزا صاحب کے صاحب علم ہونے کا خیال باقی نہیں رہ سکتا۔

اگر ان کے کسی حامی کے سر میں پھر بھی خیال سمائے کہ مرزا صاحب علم نحو و اصول میں مہارت رکھتے تھے تو اس کا فرض ہے کہ ان علوم کے رو سے اس کتاب کے حصہ دوم کا جواب لکھ کر اپنے خیالات کو مرزا صاحب کی تصریحات سے ثابت کرے، جو ان شاء اللہ نہیں ہو سکے گا۔

مرزا صاحب کی زندگی میں نہ تو ان سے اور نہ ان کے کسی ذی علم مرید سے ہوسکا کہ ”شہادت القرآن“ کا جواب لکھیں۔ آخر ان کی وفات کے کئی ماہ بعد ان کے ایک حواری مولوی ظہور الدین صاحب اکمل نے اس کے پہلے باب کا جواب بہ نام ”شہادت الفرقان“ چھپوایا۔ لیکن حقیقت میں وہ ”شہادت القرآن“ کا جواب نہیں ہے۔ اسی لیے خود ان کی جماعت میں بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ اس کی دو وجہیں ہیں: اول یہ کہ مولوی اکمل صاحب ”شہادت القرآن“ کے مطالب عالیہ اور لطائف علمیہ کو سمجھ نہیں سکے۔ بلکہ جن امور کو بالتصریح بیان کیا گیا ہے، ان کو بھی خیال میں نہیں رکھ سکے۔ بلکہ جو باتیں ان کی جماعت اور خود مرزا صاحب اس سے قبل مسئلہ حیات و ممات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا کرتے تھے وہی دہرا دی ہیں حالانکہ ”شہادت القرآن“ میں ان عذرات کی تردید صراحتاً یا اشارۃً موجود ہے۔ اور خدا کے احسان سے خاکسار نے اس کتاب کو خاص اسی خیال سے ایسی مضبوطی اور خوبی کے ساتھ لکھا تھا کہ مرزا صاحب قادیانی اور ان کی جماعت کے علماء اس کے جواب سے عاجز رہیں۔ دیگر اس خیال سے کہ جو کچھ قادیانیوں کی طرف سے اس کے جواب میں نکلے اس کا جواب بھی خود ”شہادت القرآن“ ہی ہو اور مجھے نیا جواب

انھوں نے اپنی علمی قدر شناسی اور فراخ دلی کا علمی ثبوت دیا، خصوصاً مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب کا کہ وہ برابر اپنے طلبہ اور محصلین اور زیر اثر شائقین کو اس کتاب کی طرف توجہ دلاتے رہے۔“ (شہادت القرآن، ص: ۲۷)

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی:

پیر مہر علی صاحب کا ایک حلقے میں نمایاں نام ہے اور یہ حضرت مرزا سے ابتدائی طور پر متاثر بھی ہوئے اور ان کی کتاب ”براین“ پر کچھ تحسین لکھی۔ بعد میں جب مرزا قادیانی کے افکار و نظریات آشکار ہوئے تو بڑی جرأت سے اس کا مقابلہ کیا۔ پیر صاحب نے حضرت علامہ میر تقی اللہ کی کتاب ”شہادت القرآن“ کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

”الحمد لله خالق الحب و النوى، الخالق لكل
فرعون موسى، والصلاة والسلام على سيد
المرسلين صاحب الشفاعة الكبرى واله
وصحبه اهل التقى والنقى، اما بعد۔ رسالہ مؤلفہ
جناب مولوی محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا نظر ناقص سے گزرا
جس نے اہل اسلام کو الحاد اور تحریف سے بچانے کی وجہ سے
ممنون و مامون فرمایا۔“ لاریب فہم أعطیہ رجل
مسلم“ کے زیور کی سجاوٹ اور پھین سے بہ نسبت زمانہ
حال کی تالیفات کے، جداگانہ جھلک دکھاتا ہے۔

فلله ورأ المؤلف حيث ارى الناظر كل كلمة
من الكلمات القرآنية سلطان دارها وكل آية
من الآيات الفرقانية برهان جارها وإن
ماتوهم فيها من التكرار فمن رمد الأبصار .
اللهم أيد الإسلام والمسلمين واخذل
الملاحدة والمبتدعين بطول حياته واعف
عن سيئاته وضاعف حسناته وآخر دعوانا أن
الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام

لکھنے کی ضرورت نہ پڑے۔

قاصد کے آتے آتے میں خط اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
سوالحمد اللہ میرے دونوں خیال درست نکلے۔ نہ تو مرزا
صاحب قادیانی اس کا جواب لکھ سکے اور نہ ان کے علماء اس
کے دلائل کو توڑ سکے اور نہ مجھے جواب الجواب کے لیے
”شہادت القرآن“ سے باہر جانا پڑا۔ چنانچہ ان شاء اللہ آپ
دیکھیں گے کہ یہ پیچیدہ ان موقع بہ موقع اکل صاحب کا جواب
خاص ”شہادت القرآن“ ہی کی تصریحات اور اشارات سے
دے گا۔ و ما توفیقی الا باللہ

دوسری وجہ یہ کہ خاکسار نے ”شہادت القرآن“ کا پہلا باب
رجب ۱۳۲۱ھ میں چھپوایا اور دوسرا باب دو سال بعد رمضان
۱۳۲۳ھ میں طبع کرایا۔ اس دو سال سے کچھ زائد عرصے میں
پہلے باب کا کوئی جواب نہیں لکھا گیا اور اس کے بعد بھی
۱۳۲۶ھ تک خاموشی رہی اور مرزا صاحب چل بے۔
ساڑھے پانچ سال بعد صرف پہلے باب کا جواب طبع ہوا اور
دوسرے باب میں، جس میں مرزا صاحب کے ان دلائل کو
جو انھوں نے وفات حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں لکھے
ہیں، لغت عرب اور قواعد علمیہ اور احادیث نبویہ اور علوم آلیہ
اور اصول استدلال سے ایسا غلط ثابت کیا گیا ہے کہ اس کے
مطالعے کے بعد مرزا صاحب کی عیسویت کا رنگ تو کجا آپ
کی علمیت کا بھی سارا بھرم کھل جاتا ہے۔ ہاں، اہل علم نے
اس کتاب کی جو قدر کی وہ ان کی ذرہ نوازی اور علمی قدردانی
ہے۔ اہل علم اسے ہاتھوں میں لیتے اور قادیانی مناظرات
میں زیر نظر رکھتے۔“ (شہادت القرآن، ص: ۲۶)

مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی کا اعتراف:

علامہ میر صاحب رحمۃ اللہ تحریر کرتے ہیں:

”میں حضرات دیوبند کا خصوصیت سے شکر گزار ہوں کہ

علی خاتم النبیین وآلہ و صحبہ أجمعین .
(شہادت القرآن، ص: ۱۵)

مولانا عبدالقادر رائے پوری اور ”شہادت القرآن“:

”شہادت القرآن“ مولانا کی زندگی میں تین دفعہ طبع ہوئی۔ بعض جگہ مولوی اکمل صاحب، جن کا ذکر ہو چکا ہے، کو جواب دیا گیا۔ اور مولانا نے طباعت رابع کے لیے اپنی کتاب کو حواشی سے مزین کیا تھا۔ بہ قول عبدالقیوم میر صاحب کہ کتاب کے سرورق پر یہ الفاظ تحریر فرمائے کہ ”صحیح کردہ نسخہ طبع چہارم کے لیے“، نیز تاکیداً تحریر فرمایا کہ ”اس نسخے کو ضائع نہ ہونے دیا جائے۔“

”شہادت القرآن“ کی طبع چہارم تمام تر حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری کی خاص توجہ کی رہن منت ہے۔ انہی کی ہدایت و حکم پر اس کی طباعت کا اہتمام مجلس تحفظ ختم نبوت نے کیا۔ اس کی طباعت و کتابت کی ذمہ داری مولانا لال حسین اختر نے ادا کی۔ مجلس کی طرف سے حرف اول میں لکھا ہے:

”اثبات حیات المسیح علیہ السلام کے عنوان سے حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی معرکہ آرا تصنیف محتاج تعارف نہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ لگائیے کہ یکے بعد دیگر چند مرتبہ اشاعت کے باوجود بازار سے نایاب ہو گئی اور اس کے بعد پھر زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی۔ حسن اتفاق سے کتاب کا ایک نسخہ شیخ المشائخ، قطب عالم حضرت اقدس مولانا عبدالقادر کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا تو حضرت اقدس زید مجتہد نے موضوع کی عظمت اور مضامین کی بلندی اور دلائل کی چنگلی سے متاثر ہو کر اس کتاب کو مختلف مجالس میں بالاقساط پڑھوایا۔ سماعت کے بعد حضرت اقدس نے اس کتاب کی فوری اشاعت کی خواہش ظاہر فرمائی، چنانچہ سب سے پہلے حضرت مولانا محمد ابراہیم میر کے بھتیجے مولانا عبدالقیوم صاحب سے مولانا مرحوم کا وہ ذاتی نسخہ حاصل کیا گیا جس میں مولانا مرحوم نے طبع چہارم کے لیے

جانبہ جا ضروری اضافہ اور مناسب ترمیم کو بہ صورت حاشیہ قلمبند کر رکھا تھا مگر انہیں اپنی زندگی میں موقع نہ مل سکا۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور تردید مرزائیت کے سلسلے میں موضوع کی مناسبت سے اس کتاب کی اشاعت کے اہتمام و انصرام کی سعادت حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق مجلس مرکزیہ تحفظ ختم نبوت ملتان، پاکستان کو نصیب ہوئی۔ دین دار عوام سے عموماً، علماء کرام و مشائخ عظام سے خصوصاً استدعا ہے کہ اپنا دینی اخلاقی فرض پہچانتے ہوئے اس مفید ترین علمی تحفے اور مؤثر تبلیغی ہدیے کی بڑھ چڑھ کر قدر افزائی کریں۔“ (حیات میر سیالکوٹی، ص: ۶۲)

جناب محترم مولانا عبدالقیوم صاحب میر نے وہ نسخہ خوش دلی کے ساتھ مولانا لال حسین اختر کے سپرد کیا۔ مولانا عبدالقیوم لکھتے ہیں: ”ناشکری ہوگی کہ اگر صمیم قلب سے اس امر کا اعتراف نہ کیا جائے کہ ”شہادت القرآن“ کی یہ اشاعت کلیۃً حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت فیوضہم کی توجہ خاص کی رہن منت ہے۔ مولانا لال حسین صاحب اختر نے جس فیاضی سے کام لے کر ”شہادت القرآن“ کے ہر دو حصص کتابت کے لیے پیش فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔“ (شہادت القرآن) ملحوظ:

ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ نعمانی کتب خانے کا مطبوعہ ہے۔ اس کے صفحہ (۲۲) پر لکھا ہے کہ ”اب پانچویں مرتبہ یہ کتاب نعمانی کتب خانہ لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو رہی ہے۔“ (ص: ۲۲) میری معلومات کے مطابق مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کے بعد آج سے چند سال قبل مولانا ساجد میر صاحب نے نہایت خوب صورتی کے ساتھ یہ کتاب شائع کر کے تقسیم کی اور اس کے بعد اس کا ایک ایڈیشن سرگودھا سے طبع ہوا۔ اس لحاظ سے نعمانی کتب خانے کی طرف سے شائع ہونے والی پیش نظر کتاب کی ساتویں طبع بنتی ہے۔

مولوی اکمل صاحب مرزائی کی علمیت:

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ ”شہادت القرآن“ کے ایک باب کا مولوی اکمل مرزائی نے جو جواب لکھا وہ امت مرزائیت کے ہاں بھی قابل قبول نہ تھا۔ اس بات کا اندازہ مولوی اکمل کی علمیت کے چند نمونوں کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے جو درج ذیل ہیں:

پہلا نمونہ:

مولانا میر صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”کوئی لفظ معنی اعم و اخص ہر دو کے لیے موضوع نہیں ہوتا، فافہم۔“ (شہادت القرآن، ص: ۱۵۲)

مولوی اکمل کا بیان اور مولانا میر کا جواب: مولانا میر رحمہ اللہ

اپنی کتاب کے حاشیے پر لکھتے ہیں:

”اکمل صاحب نے اس عموم و خصوص کے متعلق ایک خاص علمی کمال دکھایا ہے، فرماتے ہیں: ”حالانکہ قبض روح عین موت کا مترادف ہے۔“ بندہ خدا! عام و خاص میں ترادف کہاں؟ ترادف میں تو اتحاد و مساوات کا لحاظ ہوتا ہے۔ اور عام و خاص میں کمی بیشی ہوتی ہے، پس ان میں ترادف کا ادعا باطل ہے۔“ (شہادت القرآن، ص: ۵۲ و حاشیہ)

دوسرا نمونہ:

ایک اور مقام پر مولانا نے لکھا ہے:

”مرزا صاحب بھی رفع روح الی اللہ کی صورت رفع الی السماء ہی بتاتے ہیں جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب ”ازالہ اوہام“ میں اس آیت کے ذیل میں بالتصریح لکھا ہے اور اہل سنت بھی رفع الی اللہ اور رفع الی السماء کو متساوق فی المعنی جانتے ہیں، جیسا کہ ﴿رَافِعُكَ اِلَیَّ﴾ میں محقق ہو چکا ہے۔“ (شہادت القرآن، ص: ۲۱۳)

مولوی اکمل کا بیان اور مولانا میر کا جواب: مولانا میر

سیالکوٹی رحمہ اللہ اپنی کتاب کے حاشیے پر لکھتے ہیں:

”اکمل صاحب شاید قرآن مجید کی بھی ترمیم کر ڈالیں

گے، معاذ اللہ۔ آپ رفع الی اللہ اور رفع الی السماء کے تساو کو نہ سمجھ کر فرماتے ہیں: ”ایسا کہنا خداوند کریم کو مکافی بنانا ہے جو کفر ہے۔“ جناب عالی! پھر ﴿اَلَمْ یُنْتَحِمْ مِّنْ فِی السَّمَاۗءِ﴾ [الملک: ۱۶، ۱۷] وغیرہ آیات میں کیا فرمائیں گے؟ کیا قرآن بھی کفر سکھاتا ہے؟ سنئے! خداوند کریم کے لیے جہت فوق کی طرف ماننا تقاضائے فطرت ہے۔ لیکن اسے کسی اور جہت میں ماننا اور ہے اور یہ کفر ہے۔“

(شہادت القرآن، ص: ۲۱۳)

تیسرا نمونہ:

مولانا میر صاحب سیالکوٹی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”قاضی اکمل صاحب قادیانی کمال درجہ کے دلیر ہیں، لکھتے ہیں: ”ہم اجماع امت کے قائل ہیں، چنانچہ صحابہ کرام نے سب سے پہلے وفات مسیح علیہ السلام پر ہی اجماع کیا تھا۔“ یہ محض کذب و افتراء ہے۔ ایک صحابی سے بھی وفات مسیح علیہ السلام قبل النزول منقول نہیں۔ اس کی کچھ حقیقت سابقاً اس حصہ ”شہادت القرآن“ میں اور کچھ حصہ آیت ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِیَہِ الرُّسُلُ﴾ [آل عمران: ۱۴۴] کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہے۔“ (شہادت القرآن، ص: ۲۷۹ حاشیہ)

یہ چند مقامات کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی صاحب تفصیل دیکھنا چاہے تو وہ مولانا کی ”شہادت القرآن“ کا بالاستیعاب مطالعہ کرے۔ تردید فرق باطلہ کے ساتھ ساتھ مولانا تحریک آزادی کے بھی حامی تھے اور اس سلسلے میں انگریز حکومت کو بھی ہدف تنقید ٹھہراتے تھے۔ درج ذیل واقعے سے ان کے سیاسی کردار کا پتا چلتا ہے جو ایک انگریز نے نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

”مولوی ابراہیم آف سیالکوٹی بن قادر بخش، مشہور اور نہایت با اثر اور متعصب وہابی مبلغ ہے۔ ہندوستان میں سفر کرتا رہتا ہے اور وہابیوں کے جلو سوں میں اور دوسرے فرقوں سے مناظروں کے دوران نہایت جوش سے تقریریں کرتا ہے،

نے بہتیرے جتن کیے کہ کسی طرح یہ ٹل جائے لیکن مولوی صاحب کی گرفت بہت سخت تھی، کسی طرح اس کی خلاصی نہ ہو سکی۔

مولوی صاحب نے یہ دریافت کیا تھا کہ کلام الہی کی اس آیت کے کیا معنی ہیں:

﴿وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ﴾ [المائدہ: ۱۱۰]

”اور (اے عیسیٰ بن مریم! اس احسان کو بھی یاد کیجیے کہ) جب

میں نے بنی اسرائیل کو آپ پر قابو نہ پانے دیا۔“

مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے تازیانے لگائے، طمانچے مارے اور ہر ممکن رسوائی کے بعد آپ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا اور آپ علیہ السلام کے ہاتھوں اور پیروں پر میخیں ٹھونکی گئیں تو خدائے دود کا یہ احسان کیا معنی رکھتا ہے؟

اس سوال پر مرزا قادیانی لا جواب ہو گیا اور بہ جز دفع الوقتی کے چارہ کار نہ دیکھ کر کہنے لگا کہ اس اعتراض کا کل جواب دیا جائے گا۔

لیکن خوش قسمتی سے دوسرے ہی دن راہی ملک عدم ہو کر جواب کی تلخ ذمہ داری سے از خود خلاصی پائی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ”رہنیں قادیان“ (۱/۱۷۳، ۱۷۴)

درخواست تعان برائے تعمیر مسجد

جامع مسجد عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ چوک اڈا متا کوٹ رادھا کشن قصور روڈ زیر تعمیر ہے۔

اس کی توسیع کے لیے الحمد للہ ۱۰ امر لے کا پلاٹ مل گیا ہے۔ اصحاب خیر سے درخواست ہے کہ اس کی تعمیر میں ذوق و شوق سے شامل ہوں۔

کوئی صاحب اینٹ، سریا، بجری وغیرہ دینا چاہیں یا خود تشریف لا کر کام کرانا چاہیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔ اللہ کریم انھیں اجر عظیم سے نوازے۔ آمین

(قاری امتیاز الرحمن 0321-4747845 / 03054398669)

اس لیے اس کی ہر وقت مانگ رہتی ہے۔ ظفر علی خاں کا کٹر حامی ہے اور ثناء اللہ امرتسری کا ساتھی اور مولوی عبدالرحیم عرف بشیر احمد و عبداللہ پشاور کی کتب فروش کا ساتھی ہے۔ جنگ طرابلس، جنگ بلقان اور کان پور کی مسجد کے واقعے پر اس نے سیالکوٹ میں کافی بے چینی اور شورش پھیلا دی تھی۔“ (تحریک شیخ الہند، ص: ۳۸۷)

اس حوالے سے مولانا کی خدمات جلیلہ و مساعی جلیلہ کا پتا چلتا ہے۔

دوسرا منظرہ: مسیح قادیان مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ کی گرفت میں:

مرزا قادیانی جب اپنی موت سے پہلے لاہور آیا تو حضرت سیالکوٹی بھی لاہور میں موجود تھے۔ مرزا قادیانی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو طعنے اجل ہوا۔ مرنے سے ایک دن پہلے اس نے احمدیہ بلڈنگ لاہور میں اپنی امت کو ”مسیح نواز“ پیغام پہنچایا:

”تم خود غور کر کے دیکھ لو کہ دو ایسی مخالف قوموں کا جو ایک دوسرے کی سخت دشمن اور خون کی پیاسی ہیں، اتفاق کسی ایسے امر میں بے معنی نہیں ہو سکتا۔ دیکھو یہود و عیسائی دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح صلیب دیا گیا، پس صلیبی واقعے کا ہم کیوں کر انکار کر سکتے ہیں! تو اتر سے جو بات ثابت ہو اُس کو

ضرور ماننا پڑتا ہے۔“ (بدر قادیان: ۲ جون ۱۹۰۸ء، ص: ۷)

لاہور میں یہ خبر آنا فانا مشہور ہو گئی کہ قادیان کے خانہ ساز مسیح نے حسب مصداق ”کل شیء یرجع الی أصلہ“ حضرت مسیح علیہ السلام کی مصلوبیت کا نصرانی عقیدہ علی رؤس الاشہاد تسلیم کر لیا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی چوں کہ ان دنوں لاہور آئے ہوئے تھے اور ان ایام میں علامہ میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی رگوں میں حمیت اسلامی کے ساتھ جوانی کا خون جوش مار رہا تھا، یہ اطلاع سن کر ضبط نہ کر سکے اور سیدھے مرزا قادیانی کی قیام گاہ واقع احمدیہ بلڈنگ لاہور میں پہنچ کر پورے اسلامی جلال کے ساتھ باز پرس شروع کر دی۔ خود ساختہ موعود

فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لاہوری

دار الدعوة السلفیہ، لاہور

م ۶۱۵ ق	قادیانی مردے کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں، ص: ۱۶۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت۔
۲۹۷ء ۸۹۳	محمد ادریس کاندھلوی (مجموعہ ۶ کتب)
۳۲ ق	القول المحکم فی نزول عیسیٰ بن مریم، ص: ۴۰۔ تعلیمی پریس لاہور۔
۲	ادریس کاندھلوی، لطائف الحکم فی اسرار نزول عیسیٰ بن مریم، ص: ۲۴۰۔ تعلیمی پریس، لاہور۔
۳	محمد ادریس کاندھلوی۔ اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف، ص: ۱۶۔ تعلیمی پریس لاہور۔
۴	محمد ادریس کاندھلوی۔ دعوت اسلام، ص: ۲۴۰۔
۵	محمد ادریس کاندھلوی۔ عقل اور مذہب اسلام، ص: ۳۲۰۔ تعلیمی پریس لاہور۔
۶	محمد ادریس کاندھلوی۔ محاسن اسلام، ص: ۱۶۔ تعلیمی پریس، لاہور۔
۲۹۷ء ۸۹۳	الیاس برنی
۶۱۶ ق	مقدمہ قادیانی مذہب، ص: ۲۷۲۔ اشرف پریس لاہور۔
۲۹۷ء ۸۹۳	محمد اکبر خان
۶۱۵ ح	حق و باطل کا معرکتہ الآرامقدمہ مرزائیہ بہاولپور۔
۳	مجلدات، ص: ۱۸۵۶۔ اسلامک فاؤنڈیشن لاہور۔
۲۹۷ء ۸۹۳	ثناء اللہ امرتسری
۶۱۵ ف	فیصلہ مرزا، ص: ۲۵۔ جماعت اہل حدیث کراچی۔
۲۹۷ء ۸۹۳	محمد امین انجم
۲۹۷ء ۸۹۳	صفی الرحمن الاعظمی
۴۳ ق	قادیانیت اپنے آئینہ میں، ص: ۲۶۰۔ ادارۃ الجوث الاسلامیۃ والدعوة بنارس۔
۲۹۷ء ۸۹۳	مولانا صفی الرحمن مبارکپوری
۴۳ ف	فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص: ۳۲۴۔ مکتبہ محمدیہ لاہور
۲۹۷ء ۸۹۳	مولانا ثناء اللہ امرتسری
۲۷ ث	ثنائی پاکٹ بک، ص: ۹۵۔ مکتبہ ترجمان دہلی۔
۲۹۷ء ۸۹۳	محمد عبدالحکیم
۵۲ ق	قول الحق المعروف بہ المسیح الموعود، ص: ۸۴۔ پریس دہلی۔
۲۹۷ء ۸۲	ظہور شاہ
ظ ۶۸	نور ہدایت، ص: ۴۸۔ رفیق سلیم پریس لاہور۔
۲۹۷ء ۸۹	فضل الرحمن بن محمد
۶۵ ع	علمی جائزہ، ص: ۴۰۔ دار الدعوة السلفیہ شیش محل روڈ لاہور۔
۲۹۷ء ۸۹۳	محمد اکبر خان (مجموعہ ۲ کتب)
۶۱۵ ف	فیصلہ مقدمہ بہاولپور۔ جازی پرنٹنگ پریس لاہور۔
۲	غلام محمد البیان الساطع، ص: ۱۸۴۔ جازی پرنٹنگ پریس لاہور۔
۲۹۷ء ۸۹۳	حکومت پاکستان
۶۱۵ ح	قادیانیت اسلام کے لیے سنگین خطرہ، ص: ۴۲۔
۲۹۷ء ۸۹۳	محمد یوسف لدھیانوی

(۱۷۵۷م افادۃ الافضام، جلد اول، ص: ۳۷۶، جلد دوم، ص: ۳۶۰۔ محمود پریس حیدرآباد دکن۔

۲۹۷۸۹۳ الہی بخش

(۶۳۲ع عصاموسی علیہ السلام، ص: ۴۶۰۔ نشریات اسلام کراچی۔

۲۹۷۸۹۳ سید ابوالحسن علی ندوی

ح ۲۸ ق قادیانیت، مطالعہ و جائزہ، ص: ۲۰۰۔ مجلس نشریات اسلام کراچی۔

۲۹۷۸۹۳ مولانا محمد انور شاہ کشمیری (مجموعہ ۴ کتب)

(۷۷خ خاتم النبیین، ص: ۹۶۔ ادارہ مجلس علمی کراچی۔

۲۔ محمد ادریس کاندھلوی۔ تائید القضاء والقدر،

ص: ۳۹۔ علمی مرکز انارکلی لاہور۔

۳۔ احسن الحدیث فی ابطال التثلیث، ص: ۶۴۔

تعلیمی پریس اکبری منڈی لاہور۔

۴۔ رسالہ مختصر جواب عیسائیت، ص: ۱۶۔

۲۹۷۸۹۳ محمد الیاس برنی

ب ۲۷ ق قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، ص: ۹۴۴۔ محمد اشرف تاجر

کتب لاہور۔

۲۹۷۸۹۳ ثناء اللہ امرتسری

ث ۲۷ ن نکاح مرزا، ص: ۲۰۔ سلیم پریس لاہور۔

الاعتصام

ایک علمی، اصلاحی اور دعوتی جریدہ ہے، اس کے فروغ اور توسیع اشاعت میں بھرپور حصہ لیں۔ اس سے مالی تعاون کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔

(ادارہ)

م ۳۴ ع عقیدہ ختم نبوت، ص: ۱۱۲۔ الکریم پرنٹرز سیالکوٹ۔

۲۹۷۸۹۳ انجمن اہل حدیث سکندر آباد دکن

(۱۷۱ق قادیانی حلف کی حقیقت، ص: ۲۴۔ مرزا محمد علی بیگ۔

۲۹۷۸۹۳ لال حسین اختر

(۳۰۷ت ترک مرزائیت، ص: ۹۶۔ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور۔

۲۹۷۸۹۳ ثناء اللہ امرتسری

ث ۲۷ ف فاتح قادیان، ص: ۷۰۔ ثنائی برقی پریس سرگودھا۔

۲۹۷۸۹۳ محمد سلیم اختر

(۳۰۶م میں نے قادیانیت کیوں چھوڑی، ص: ۳۷۔ مکتبہ المنیر

فیصل آباد۔

۲۹۷۸۹۳ سید مرتضیٰ حسن چاند پوری (مجموعہ ۸ رسائل)

ح ۴۵ ف فتح قادیان کا مکمل نقشہ جنگ، ص: ۳۰۔ مجلس تحفظ ختم

نبوت کراچی۔

۲۔ زلزلة الشاع؛ قادیان میں قیامت خیز بھونچال،

ص: ۱۰۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی۔

۳۔ الابطال لاستدلال الرجال، ص: ۶۸۔ مجلس تحفظ ختم

نبوت کراچی۔

۴۔ مرزانیوں کے گلے میں لعنت کا طوق،

ص: ۴۲۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی۔

۵۔ لال حسین اختر۔ حضرت مسیح علیہ السلام مرزا قادیانی کی نظر

میں، ص: ۴۸۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی۔

۶۔ محمد یوسف لدھیانوی۔ قادیانیوں کی طرف سے کلمہ

طیبہ کی توہین، ص: ۲۴۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی۔

۷۔ مولانا ابوالبشیر۔ الہامی گرگٹ، ص: ۳۴۔ مجلس

تحفظ ختم نبوت کراچی۔

۸۔ سید عطا اللہ شاہ حسنی۔ ختم نبوت، ص: ۲۸۔ مکتبہ

معاویہ۔

۲۹۷۸۹۳ محمد انور اللہ خان

ماہر تعلیم شیخ العربیہ مولانا محمد بشیر کی زیر نگرانی

معهد اللغة العربية کے شعبہ طلبہ اور شعبہ طالبات میں داخلہ جاری ہے

معهد اللغة العربية اسلام آباد میں جدید طریقہ تعلیم رائج ہے، جس میں بچوں کو پہلے دو تین سالوں میں اسلامی تعلیم اور عربی زبان کی اچھی مہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ ادارے میں نیچے سے اوپر تک ذریعہ تعلیم عربی ہے اور چھوٹے بچوں کے تعلیمی شعبوں ناظرہ قرآن، تحفیظ القرآن اور تجوید القرآن میں بھی عربی بول چال کی تربیت دی جاتی ہے۔

اس ادارے میں زیر تعلیم میٹرک پاس طلبہ اور طالبات کو صرف دو تین سال بعد (۱) کسی اچھے دینی ادارے، سکول یا کالج میں اسلامیات اور عربی زبان کی تدریس کے لیے تقرری کی سہولت حاصل ہے۔ (۲) نیز انہیں پاکستان یا عرب ملکوں کی کسی اسلامی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لیے داخلہ مل سکے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابتدائی جماعت میں داخلے کیلئے بچوں کا ڈل پاس ہونا ضروری ہے، اگلی کلاسوں میں بھی داخلہ جاری ہے۔ ہم وفاق المدارس کے کورسوں کے علاوہ میٹرک اور ایف اے کی معیاری تدریس بھی کرتے ہیں۔ داخلہ ۱۵ ستمبر تک جاری رہے گا۔ بیرونی طلبہ اور طالبات کیلئے الگ الگ ہوٹل اور درس گاہ کا انتظام موجود ہے۔ معمولی فیس کی ادائیگی پر قیام و طعام کی سہولت دی جاتی ہے۔ جو علماء اپنے تعلیمی اداروں کو ترقی دینا چاہتے ہیں وہ اپنے عزیز بچوں کو معهد اللغة العربية کے اس جدید طریقہ تعلیم سے استفادے کا موقع فراہم کریں۔

معلمین اور معلمات کے تربیتی کورسز: ادارے میں معلمین اور معلمات کے لئے دو ماہ، چھ ماہ اور ایک سال کے تعلیم و تربیت کے کورسز بھی ہو رہے ہیں۔

معهد اللغة العربية سٹریٹ 32، آئی ایڈی سٹر، جی ٹاؤن ون، اسلام آباد فون: 2253733

ماہر تعلیم شیخ العربیہ مولانا محمد بشیر کی دونی کتابیں پڑھیے۔

اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کو دین اسلام اور امت مسلمہ کے تحفظ و ترقی کا ذریعہ بنایا، پھر اسلامی عربی تعلیم نظریہ پاکستان کی اساس بنی، لیکن ہماری حکومت اور دینی مدارس نے اس کی تعلیم و ترقی پر سنجیدہ توجہ نہیں دی تو ہمارے اساسی نظریے کو کتنا ضعف پہنچا؟ اور ہمارے کتنے ملی، سفارتی، تعلیمی اور مالی نقصانات مسلسل ہو رہے ہیں؟ دینی مدارس اور یونیورسٹیاں کتنے پسماندہ ہیں؟ ان کے طلبہ اور اساتذہ دینی، تعلیمی اور معاشی ترقی سے کیسے محروم رہتے ہیں؟ آئیے اب اپنے ناظمین اور معلمین کو جدید طریقہ تعلیم کی تربیت دیں اور تعلیمی نظام کو نیچے سے اوپر تک ترقی دینے کے لیے

۱۔ درس نظامی کی اصلاح اور ترقی قیمت: ۶۰۰ روپے

پڑھیے، جو مسلم معاشرے اور ریاست میں عربی کے صحیح مقام اور صحیح طریقہ تعلیم کو واضح کرتے ہوئے ابتدائی مکاتب، مدارس اور یونیورسٹیوں میں اس کی موثر تعلیم و ترقی کا انقلابی منصوبہ پیش کرتی ہے۔

۲۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں صرف ایک عید قیمت: ۱۶۰ روپے

جو عیدین سعیدین کے مبارک موقعوں پر امت مسلمہ کی وحدت و عظمت کے تحفظ کیلئے عالم اسلام کے عظیم علماء اور ماہرین فلکیات کے مشنر کہ مشاہدات اور تحقیق پر مشتمل ہے۔ ان دونوں کتابوں کو مملکت پاکستان کا ہر مسلمان عالم اور مفکر ضرور پڑھے۔ رعایت کے لیے رجوع کریں۔

دارالعلم: بلاک 105، سٹریٹ 32، جی ٹاؤن ون اسلام آباد 2253733-۶۹۹۔ آپارہ مارکیٹ اسلام آباد 2875371